جلد ۷۶

جنوری ۱۹۷۲ء

عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

اسلام کا جامع تصور حاصل کرنے کیلیئے

مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجیئے

	اعلیٰ	سستا
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	۳-۲۵	۲-۲۰
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	۲-۴۰	۱-۷۰
خطبات	۷-۵۰	
دینیات	۴-۰۰	
اسلام ایک نظر میں	۶-۷۵	۴-۲۵
اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ	۴-۴۰	۲-۴۰
حج اور اس کے مسائل	۳-۷۵	۲-۷۰
مختصر احکام حج	۲-۰۰	
دین کی باتیں	۴-۰۰	
دین کی خدمت	۲-۲۵	
دین کی حفاظت	۱-۳۰	
ایمان کی اہمیت	۲-۰۰	
تبلیغ کی حکمت		۰۰-۸۵
اسلام کی تعلیم	۲-۵۰	

اسلامک پبلکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (مغربی پاکستان)

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

عدد ۵	جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ	جلد ۷۶

ترجمان القرآن ، لاہور

۵۔اے ذیلدار پارک ، اچھرہ۔لاہور

چندہ سالانہ : آٹھ روپے۔ فی پرچہ : ۸۰ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اشارات

سقوطِ ڈھاکہ ایک ایسا رُوح فرسا المیہ ہے جس کے تصوّر سے سینے میں گھاؤ پڑتے ہیں اور جس کی وجہ سے نہ صرف پاکستان کے مسلمان بلکہ پوری اُمّتِ مُسلمہ خون کے آنسو بہا رہی ہے۔ اس خیال سے دل کانپ جاتا ہے کہ سب سے بڑی مسلم مملکت کی سات کروڑ آبادی کو ہندو جارحیت ہڑپ کر گئی ہے اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ بہو اور بیٹیوں کی عصمت لُٹ رہی ہے اور بچوں کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ چشمِ فلک نے ظلم و استبداد کے بہت کم ایسے بھیانک مناظر دیکھے ہوں گے جنہیں وہ آج دیکھ رہی ہے۔

بھارت اپنی فتح مندی پر شادیانے بجا رہا ہے اور دنیا کی بڑی طاقتیں اُس کے ساتھ زیرِ لب مُسکرا رہی ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بھارت کی یہ فتح مندی اور بڑی طاقتوں کی اس ننگی جارحیت کی کھُلی اور درپردہ حمایت اِن قوموں کی بربادی کا آخری پیغام بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ قدرت کا یہ قانون ہے کہ انسانیت کا اجتماعی نظام جب تک حق و انصاف سے یکسر انحراف کر کے سراسر فساد نہیں بن جاتا وہ نوعِ بشری کو کسی آفاقی تباہی سے دوچار نہیں کرتی۔ وہ انہیں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ متنبہ کرتی ہے انہیں جھنجھوڑتی ہے مگر قدرت جب یہ محسوس کرتی ہے کہ انسانیت کا ضمیر اتنا مُردہ ہو چکا ہے کہ عبرت کے تازیانے بھی اس کے لیے بالکل بے اثر ثابت ہو رہے ہیں تو پھر اس کا قانونِ مکافات براہِ راست حرکت میں آ کر انسانیت کے ایک عظیم حصّے کو تہس نہس کر دیتا ہے۔

دنیا میں ظلم و فساد کی علمبرداری اور حق و انصاف کی بے کسی اور بے بسی کی اس سے زیادہ شرمناک صورت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طاقتور ملک محض اپنی طاقت کے نشے میں اور ایک استعمار پسند مملکت کے بل بوتے پر

اپنے ہمسایہ ملک پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس کی آزادی سلب کر لیتا ہے۔ دنیا کا کونسا ملک ایسا ہے جہاں آبادی کے مختلف گروہوں کے مابین تلخ رنجیاں پیدا نہیں ہوتیں اور یہ تلخ رنجیاں بسا اوقات باہمی آویزش کی صورت اختیار نہیں کرتیں۔ خود بھارت جس نے اس آویزش کی آڑ لے کر پاکستان کو اپنے ظلم کا تختۂ مشق بنایا ہے آئے دن اس قسم کے حوادث کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہاں مختلف صوبوں میں صدر راج قائم ہوتے رہتے ہیں مگر اس کے اس اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی دوسرے ملک نے اس کی آزادی اور سالمیت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ بھارت میں اب بھی اگر کوئی سوچنے والے دماغ موجود ہیں تو انہیں اس صورتِ حال اور اس غلط منطق کے طبعی نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ اگر پاکستان کے داخلی اضطراب سے اس کی سالمیت کو ختم کرنے کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے تو پھر بھارت کو اپنے حصّے بخرے کرنے پر آمادہ رہنا چاہیے کیونکہ اس کے ہاں یہ انتشار پاکستان سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ اُس نے اپنے ملک کے شر پسندوں کو خود ہی ایک ایسا راستہ دکھا دیا ہے جو اُس کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں بھارت کے معقول لوگوں کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کیا دنیا کی استعمار پسند طاقتیں جن کی مدد سے بھارت نے اپنے ایک کمزور ہمسایہ پر دستِ ظلم دراز کیا ہے صرف مشرقی پاکستان کو نگلنے کے بعد سیر ہو کر اطمینان سے بیٹھ جائیں گی اور ان کے اندر جوع الارض کا کوئی جذبہ موجود نہ رہے گا۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح آدم خور کسی ایک آدمی کے خون سے سیر نہیں ہوتا اس طرح استعمار پسند عزائم رکھنے والی قومیں کسی ایک خطۂ ارضی پر قابض ہو کر مطمئن نہیں ہوتیں بلکہ کسی ایک حصّے کو جب وہ ہضم کر چکی ہیں تو ان کی اشتہا بڑھتی ہے۔ اور وہ باقی حصوں کو بھی نگلنے لگتی ہیں۔ شاید مستقبل کے اسی خوف کے پیشِ نظر بھارت کی اس حماقت کا ذکر کرتے ہوئے کسی مفکر نے کہا ہے کہ اس ملک کے نادان حکمران اپنی نادانی سے خونخوار ریچھ کو اپنے دروازے پر لے آئے ہیں۔ اب یہ بھارت کی ہڈیاں چباتے گا اور اس کا خون چوسے گا۔

بھارت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو، یہ اُس کا اپنا معاملہ ہے مگر افسوس ان قوموں پر اور ان بین الاقوامی اداروں پر ہے جو امن و صلح کے نقیب کہلاتے ہیں اور جنہیں مظلوموں کا آخری سہارا تصور کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہوئی ہے یہ سب کچھ اقوامِ عالم کے سامنے ہوا ہے، تہذیب کے علمبرداروں نے،

تمدن و شائستگی کے مدعیوں نے یہ خونیں تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر کسی نے بھی عملی لحاظ سے کوئی دستگیری نہ کی۔ اقوام متحدہ میں عظیم اکثریت سے جو قرارداد پاس ہوئی اُس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی قریب قریب ساری قوموں کا ضمیر اس بات کی شہادت دے رہا تھا کہ ایک طرف راستی وصداقت ہے اور دوسری طرف کذب و دروغ بافی۔ ایک طرف مظلومانہ مدافعت ہے اور دوسری طرف جابرانہ اقدام، ایک طرف بے چارگی اور بے سروسامانی ہے اور دوسری طرف قوت وطاقت کا نشہ، مگر اس احساس کے باوجود اقوام متحدہ سوائے قراردادوں کے پاس کرنے کے اور کچھ نہ کر سکی۔ مغربی قوموں نے بڑے اطمینان سے اس ظلم و ستم کو دیکھا اور خاموش رہیں۔ کسی نے بھی اپنا دستِ تعاون آگے نہ بڑھایا، کسی دردمند نے مظلوم قوم کی چارہ گری نہ کی یہاں تک کہ صداقت و راستی نے کذب و باطل کے آگے سر جھکا دیا اور ایک کمزور بے نوا قوم اپنی حریت اور آزادی کو حرص وہوسناکی کی دیوی کے آگے بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہوگئی۔ بھارت کی ہوسِ استعمار پوری ہو چکی اور اس کے ذریعے مغربی استعماریت نے ایک نئی اور شاندار فتح حاصل کر لی ہے۔ مگر دُوررس نگاہیں جانتی ہیں کہ یہ جنگ دنیا کی استعمار پسند طاقتوں کے لیے نقطۂ انحراف بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

یو۔ این۔ او کی اس بے حسی اور بے بسی نے اس تلخ حقیقت کو پوری دنیا پر آشکارا کر دیا ہے کہ یہ ادارہ خواہ کتنے بلند بانگ دعوے کرے مگر دنیا کی بڑی قوموں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ اس سے جو کام چاہیں آسانی سے لے سکتی ہیں۔ جنگ بندی کی قرارداد کو سلامتی کونسل میں جس طرح روس نے ویٹو کر کے حق و انصاف کا خون کیا اور کھلی جارحیت کی حمایت کی ہے اور دوسری قوموں نے اس کے مقابلے میں جس بے بسی کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھتے ہوئے دنیا کی کمزور قوموں کا مستقبل نہایت تاریک نظر آتا ہے۔ بڑی قوموں کے اس انسانیت سوز طرزِ عمل سے یہ تلخ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ ان میں سے کوئی قوم بھی حق و انصاف کی علمبردار نہیں بلکہ اندھی بہری قوت اور مادی مصالح کی پرستار ہے۔ ان کے مابین تنازعِ باہمی کا اصول استعمار پسند اقوام کے مابین تعاون کا اصول ہے۔ ان کی امن و صلح کی انجمنیں دنیا میں عمل میں وہی کردار ادا کرتی ہیں جس کی طرف علامہ اقبال نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

ع بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

ان کے مواعید مکر و فریب کے جال ہیں اس لیے کوئی کمزور قوم اپنی آزادی کے لیے ان پر تکیہ نہیں لگا سکتی کیونکہ انہیں اپنے مفادات دنیا کی ہر دوسری چیز سے عزیز تر ہیں۔

پھر ان کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان قوموں کو اسلام اور مسلمانوں سے خاص کد ہے انہیں جب بھی موقع ملتا ہے تو یہ سب سے پہلے اسلامی ممالک اور مسلم قوم کو تاخت و تاراج کرنے کے منصوبے بناتی ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام آج بھی دنیا کا سب سے بڑا خطرہ ہے اور جو قوم بھی اس سے اپنی وابستگی کی دعویدار ہو اُسے یہ قومیں ایک ثانیہ کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ بھارت کی وزیر اعظم نے اپنے سینے میں چھپے ہوئے اس بُغض کو ظاہر کرتے ہوئے پوری دنیا کو بتا دیا ہے۔ کہ پاکستان سے اس کی دشمنی کی اصل وجہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی ایک تقریر میں جسے بھارت ریڈیو نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد بڑے طمطراق سے نشر کیا، پاکستان کے خلاف اپنے عناد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ پاکستان کا وجود اس لیے گوارا نہیں کر سکتیں کہ یہ ملک دین کی اساس پر قائم ہوا ہے اور ہم اس تصوّر کے خلاف ملک کو لادینی بنیادوں پر اُستوار کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان درحقیقت اسلام سے نسبت کی وجہ سے مغربی قوموں کی نظر میں خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اس ایک وجہ کے علاوہ اس سے بغض و عناد کی کوئی دوسری وجہ نظر نہیں آتی۔ اس نے دوسری قوموں کے ساتھ ہمیشہ شریفانہ رویّہ اختیار کیا ہے اور ان کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی کبھی گریز نہیں کیا۔ تقسیم کے وقت اس سے ہر قسم کی ناانصافیاں کی گئیں مگر اس نے ان سب کو صبر سے برداشت کیا۔ پھر ریاستوں کے انضمام کے بارے میں بھارت نے یہ اصول خود ہی طے کیا کہ ان ریاستوں کے عوام جس طرف شمولیت کا فیصلہ کریں گے ریاست کو اس ملک کے ساتھ وابستہ کر لیا جائے گا۔ اسی اصول کے تحت حیدر آباد، جونا گڑھ اور دوسری ریاستوں کو بزورِ قوت ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کیونکہ وہاں آبادی کی اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی مگر جب اسی اصول کے مطابق ریاست جموں اور کشمیر کے الحاق کا سوال پیدا تو بھارت نے اُسے مسترد کرتے ہوئے اس پر بزورِ شمشیر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پاکستان نے جب اس صریح ظلم اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کی اور اس کے ناپاک عزائم کی راہ میں حائل ہونے کی جدوجہد کی تو مغربی قومیں یو۔ این۔ او کی وساطت سے فوراً اس کی دستگیری کو آپہنچیں اور پاکستان کو فائر بندی پر مجبور کرتے ہوئے اس سے یہ وعدہ کیا کہ اس ریاست کی قسمت کا فیصلہ اس کے عوام کی خواہش کے مطابق کیا جائے گا مگر افسوس یہ وعدہ یو۔ این۔ او کی قراردادوں تک ہی محدود رہا اور کسی قوم نے بھی بھارت کو اس کے ایفا پر مجبور نہیں کیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جب تک بھارت کا پلڑا بھاری رہا اس وقت تک مغربی قومیں بڑی خاموشی

سے تماشا دیکھتی رہیں مگر جونہی حالات میں تبدیلی پیدا ہونے لگی اور پاکستان کو کامیابی ہوتی نظر آئی تو پھر بڑی قوموں نے جنگ بندی کی قراردادیں منظور کرنی شروع کر دیں۔ پاکستان نے اس معاملے میں بھی ان قوموں کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا، درآنحالیکہ وہ پہلے کئی مرتبہ ان سے زخم کھا چکا تھا۔ اس کے بعد تاشقند میں اس ملک کے ساتھ جو شرمناک کھیل کھیلا گیا اور جس طرح میدانِ جنگ میں جیتی ہوئی بازی کو گفت و شنید کی میز پر شکست میں بدل دیا گیا اُس سازش سے پوری دنیا واقف ہے۔

اس جنگ کے بعد امریکہ اور روس دونوں نے بھارت کی بھرپور مدد کی اور اسے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت ہر قسم کی قوت بہم پہنچائی تاکہ وہ پاکستان کو ضرب کاری لگا سکے۔ اس جنگ میں امریکہ اور روس کا جو کردار رہا ہے وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ امریکہ اور روس دونوں نے پہلے تو بھارت کو جنگ کے جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا اور پھر آخری وقت اور عین جنگ کے دوران روس کے تربیت یافتہ افراد بھارتی سپاہ کی رہنمائی کرتے رہے اور امریکہ قرار دادیں پاس کرنے اور طفل تسلیاں دینے میں وقت صرف کرتا رہا۔ پاکستان ایرفورس کے سربراہ نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ حقیقت ظاہر کر دی ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے بھی پاکستان کی مدد نہیں کی اور طیارے تو بڑی چیز ہے کسی نے کوئی پرزہ تک نہیں دیا۔ جس انداز سے بھارت نے یہ ساری جنگ لڑی ہے اُسے دیکھتے ہوئے اس حقیقت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں کہ پاکستان پر حملے کا سارا منصوبہ اور پھر جنگ کا پورا نقشہ بھارت کے ارباب بست و کشاد اور بھارتی افواج کے سالار تیار نہیں کر سکتے۔ اس پوری سکیم کو بڑی قوتوں نے ترتیب دیا اور پھر ان عظیم طاقتوں کے ماہرین نے بڑی چابکدستی کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

امریکہ اور روس کی بھارت نوازی اور پاکستان دشمنی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ امریکہ نے بحر ہند میں روس کے تفوق اور تسلط کو گوارا کر لیا ہے مگر اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی۔ امریکہ اگر کیوبا کے معاملے میں روس کو سرنگوں کر سکتا ہے تو پاکستان کے معاملے میں بھی اگر وہ چاہتا تو روس کو ظلم سے روک سکتا تھا مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے بڑی قوموں کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔ اس لیے ان میں کسی نے بھی عملی طور پر استبداد کے راستے میں مزاحم ہونے کی معمولی کوشش بھی نہیں کی۔

امریکہ کے وزیر خارجہ ولیم راجرز اور اس کے صدر نکسن کے حالیہ بیانات بھی اس امر کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔ راجرز نے بڑے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ وہ بھارت اور روس کے مابین دفاعی معاہدے کے باوجود بھارت سے اچھے تعلقات رکھنے کے آرزومند ہیں۔ اور اسے کسی قیمت پر بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ نکسن صاحب روس کے ظلم واستبداد اور یو۔ این۔ او میں اس کے کردار اور عالمی رائے کے خلاف اُس کے نہایت توہین آمیز رویے کے باوجود اس کے شکر گزار ہیں کہ اُس نے مغربی پاکستان پر بھارت کی یلغار کو روکنے میں مدد دی ہے ورنہ اس حصّے کا بھی وہی حشر کیا جانے والا تھا جو مشرقی پاکستان کا ہوا ہے۔ یہ بیان اگر اہلِ پاکستان کے مجروح دلوں پر نمک پاشی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ان بڑی طاقتوں کے اندر ضمیر کی کوئی رمق اور عدل وانصاف کا کوئی معمولی پاس بھی ہوتا تو وہ پاکستان پر یہ احسان جتلانے کے بجائے اُس کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتیں اور اُسے اس امر کا یقین دلاتیں کہ اس کے ساتھ جو ظلم وزیادتی ہوئی ہے اس کی پوری پوری تلافی کی جائے گی اور آئندہ اس جارحیت کو پوری قوت سے روکا جائے گا مگر یہ معقول طرزِ عمل اختیار کرنے کے بجائے پاکستان کو یہ وعید سنائی جا رہی ہے کہ مغربی پاکستان کی آزادی بھی سلب ہونے والی ہے اور اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ صرف امریکہ اور روس کے صبر وتحمل کا صدقہ ہے۔ الکفر ملۃ واحدۃ کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

غیروں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے انہیں یہ کرنا ہی تھا۔ ہمارے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں بلکہ وہ اگر اس سے مختلف روش اختیار کرتے تو ہمیں واقعی بڑی حیرت ہوتی۔ جس طرح روشنی کسی صورت بھی تاریکی کو برداشت نہیں کر سکتی اسی طرح کفر اسلام کا کسی طور پر بھی حامی نہیں ہو سکتا۔ اسلام کی بیخ کنی کے لیے ہزاروں نہیں لاکھوں قوتیں زیرِ زمین اور بالائے زمین سرگرم عمل ہیں۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہم خود اسلام کے ساتھ جو شرمناک کھیل کھیل رہے ہیں اس سے باز آئیں اور اپنی قوت وطاقت کے اس واحد سرچشمے سے کما حقہٗ فائدہ اٹھائیں۔ غور کیجیے کہ اسلام کے بغیر پاکستان کے وجود کا آخر کیا جواز باقی رہتا ہے۔ اخوت کے اس ایک رشتے کے علاوہ پاکستان کی آبادی کے مابین کوئی ایک چیز بھی قدرِ مشترک کی حیثیت نہیں رکھتی۔ مگر اس قدرِ مشترک کے خلاف ہم نے جو بھیانک سازشیں کی ہیں، وہ درحقیقت ہماری تباہی کا باعث بنی ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک حالات کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ کیا ہم مجموعی طور پر اسلام سے

قریب تر ہوتے ہیں یا اُس سے دُور ہٹے ہیں، کیا ہم نے مجموعی طور پر اسلامی اقدار کو اپنانے کی کوشش کی ہے یا اُن کے خلاف مختلف محاذ کھولے ہیں؟ کیا ہمارے اندر اپنے رب کو راضی کرنے کا جذبہ پیدا ہوا ہے یا طاغوت کا سہارا لے کر زندہ رہنے کی خواہش اُبھری ہے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہم سے ہر شخص کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ مغربی قوموں کے اطوار اپنانے اور ان کی معاونت اور دستگیری پر تکیہ کرنے کا جو ہولناک انجام ہو سکتا تھا وہ ہم نے پوری طرح دیکھ لیا ہے۔ اسلام کے رشتے کے کمزور پڑنے سے اہلِ پاکستان کے درمیان انتشار پیدا ہوا اور محبت اور اخوت کی جہانگیری کے بجائے علاقائی عصبیتوں نے سر اٹھایا اور ہمیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار کر دیا۔ مغربی تعلیم اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والے ملحدانہ نظریات و افکار نے ہمیں دین سے برگشتہ کیا، ہماری تخلیقی صلاحیتوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا، ہماری ملی اساس پر تیشہ چلایا، ہمیں مغرب کی غلامی کا خوگر بنایا اور ہمارے رگ و پے میں اُن ساری برائیوں کو سرایت کر دیا جو اہلِ مغرب میں موجود ہیں۔ مغرب کے اندھے مقلد بننے کی وجہ سے ہم اس کی کوئی خوبی تو اپنا نہ سکے مگر اس کی خامیوں کو ہم نے پوری شدت سے اپنانے کی کوشش کی۔ ابن خلدون کے بقول نقال قومیں ہمیشہ دوسری قوموں کے معائب کو اختیار کرتی ہیں ان کے محاسن کو اختیار نہیں کر سکتیں کیونکہ اگر ان کے اندر محاسن کو اختیار کرنے کی صلاحیت اور تڑپ ہو تو پھر انہیں نقالی کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی، وہ خود اپنے لیے کوئی الگ راہ متعین کر لیتی ہیں۔ نقالی کی روش صرف وہی قومیں اختیار کرتی ہیں جو عزم و ہمت سے عاری ہوں، جن کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی ہوں اور جو میدانِ عمل میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئی ہوں۔

گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے ہم مغربی قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں اور ہماری ان کوششوں کا جو حشر ہوا ہے وہ بھی ہم سب کے سامنے ہے۔ دنیا کا کوئی ایک مسلمان ملک بھی ایسا نہیں جسے اسلام کو تیاگ کر کوئی قوت اور عزت حاصل ہوئی ہو بلکہ صاف طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اسلام اس قوم کے لیے بمنزلہ روح ہے۔ جوں جوں مسلم قوم کے جسد سے یہ روح نکلتی ہے اس کا اجتماعی ڈھانچہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ہر شعبے پر بالکل مردنی چھا جاتی ہے۔ خدا کو جس اُمت سے محبت ہے اور جس کی تائید و نصرت کا اُس نے وعدہ کیا ہے وہ وہی اُمت ہے جو بندگیٔ رب کو اپنا سب سے بیش قیمت سرمایہ سمجھتی ہے جسے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ناز ہے، جس کا اسلام پر غیر متزلزل یقین ہے (باقی صفحہ پر)

تفہیم القرآن

الشّمس

نام پہلے ہی لفظ وَالشَّمْس کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول مضمون اور اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سُورۃ بھی مکّۂ معظمہ کے ابتدائی دَور میں نازل ہوئی ہے مگر اس کا نزول اُس زمانے میں ہُوا ہے جب مکّہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔

موضوع اور مضمون اِس کا موضوع نیکی اور بدی کا فرق سمجھانا اور اُن لوگوں کو بُرے انجام سے ڈرانا ہے جو اِس فرق کو سمجھنے سے انکار اور بدی کی راہ چلنے پر اصرار کرتے ہیں۔

مضمون کے لحاظ سے یہ سُورۃ دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصّہ سُورت کے آغاز سے شروع ہو کر آیت ۱۰ پر ختم ہوتا ہے، اور دوسرا حصّہ آیت ۱۱ سے آخر تک چلتا ہے۔ پہلے حصّہ میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح سُورج اور چاند، دن اور رات، زمین اور آسمان ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں، اُسی طرح نیکی اور بدی بھی ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں۔ یہ دونوں نہ اپنی شکل میں یکساں ہیں اور نہ ان کے نتائج یکساں ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو جسم، حواس اور ذہن کی قوتیں دے کر دنیا میں بالکل بے خبر نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ ایک فطری الہام کے ذریعہ سے اُس کے لاشعور میں نیکی اور بدی کا فرق، بھلے اور بُرے کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس اُتار دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ انسان کے مستقبل کا انحصار اِس پر ہے کہ اس کے اندر تمیز، ارادے اور فیصلے کی جو قوتیں اللہ نے رکھ دی ہیں ان کو استعمال کر کے وہ اپنے نفس کے اچھے اور بُرے رجحانات میں سے کس کو اُبھارتا اور کس کو دباتا ہے۔ اگر وہ اچھے رجحانات کو اُبھارے اور بُرے رجحانات سے اپنے

نفس کو پاک کرے تو فلاح پائے گا، اور اس کے برعکس اگر وہ نفس کی اچھائی کو دبائے اور برائی کو ابھارے تو نامراد ہوگا۔

دوسرے حصے میں قومِ ثمود کی تاریخی نظیر کو پیش کرتے ہوئے رسالت کی اہمیت سمجھائی گئی ہے۔ رسول دنیا میں اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ بھلائی اور برائی کا جو الہامی علم اللہ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے وہ بجائے خود انسان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی انسان خیر و شر کے غلط فلسفے اور معیار تجویز کر کر کے گمراہ ہوتا رہا ہے۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اُس فطری الہام کی مدد کے لیے انبیاء علیہم السلام پر واضح اور صاف صاف وحی نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو کھول کر بتائیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا۔ ایسے ہی ایک نبی حضرت صالح علیہ السلام قومِ ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔ مگر وہ اپنے نفس کی برائی میں غرق ہو کر اتنی سرکش ہو گئی تھی کہ اُس نے اُن کو جھٹلا دیا، اور اُس کا مُنہ مانگا معجزہ جب اُنہوں نے ایک اونٹنی کی شکل میں پیش کیا تو اُن کی تنبیہ کے باوجود اُس قوم کے ایک شریر ترین آدمی نے ساری قوم کی خواہش اور طلب کے مطابق اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ آخر کار یہ ہُوا کہ پُوری قوم تباہ کر کے رکھ دی گئی۔

ثمود کا یہ قصہ پیش کرتے ہوئے پُوری سُورت میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اے قومِ قریش، اگر تم ثمود کی طرح اپنے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاؤ گے تو وہی انجام دیکھو گے جو ثمود نے دیکھا ہے۔ مکہ میں اُس وقت حالات وہی موجود تھے جو صالح علیہ السلام کے مقابلہ میں قومِ ثمود کے اشرار نے پیدا کر رکھے تھے۔ اس لیے ان حالات میں یہ قصہ سُنا دینا بجائے خود اہلِ مکہ کو یہ سمجھا دینے کے لیے کافی تھا کہ ثمود کی یہ تاریخی نظیر اُن پر کس طرح چسپاں ہو رہی ہے۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے

سُورج اور اُس کی دھوپ[1] کی قسم، اور چاند کی قسم جبکہ وہ اُس کے پیچھے آتا ہے، اور دن کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے، اور رات کی قسم جبکہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے[2]، اور آسمان کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے قائم کیا[3]، اور زمین کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے

---

[1] اصل میں لفظ ضُحٰی استعمال کیا گیا ہے جو سُورج کی روشنی اور اس کی حرارت، دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ عربی زبان میں اس کے معروف معنی چاشت کے وقت کے ہیں جبکہ سُورج طلوع ہونے کے بعد خاصا بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن جب سُورج چڑھتا ہے تو صرف روشنی ہی نہیں دیتا بلکہ گرمی بھی دیتا ہے، اس لیے ضحیٰ کا لفظ جب سُورج کی طرف منسوب ہو تو اس کا پُورا مفہوم اُس کی روشنی، یا اُس کی بدولت نکلنے والے دن کے بجائے اُس کی دھوپ ہی سے زیادہ صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔

[2] یعنی رات کی آمد پر سورج چھپ جاتا ہے اور اُس کی روشنی رات بھر غائب رہتی ہے۔ اِس کیفیت کو یُوں بیان کیا گیا ہے کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے، کیونکہ رات کی اصل حقیقت سُورج کا افق سے نیچے اُتر جانا ہے جس کی وجہ سے اس کی روشنی زمین کے اُس حصّے تک نہیں پہنچ سکتی جہاں رات طاری ہو گئی ہو۔

[3] یعنی چھت کی طرح اُسے زمین پر اٹھا کھڑا کیا۔ اِس آیت اور اس کے بعد کی دو آیتوں میں مَا کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی مَا بَنٰہَا، اور مَا طَحٰہَا اور مَا سَوّٰہَا۔ اِس لفظ مَا کو مفسّرین کے ایک گروہ نے مصدری معنوں میں لیا ہے اور وہ اِن آیتوں کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ آسمان اور اس کے قائم کیے جانے کی قسم، زمین اور اس کے بچھائے جانے کی قسم، اور نفس اور اس کے ہموار کیے جانے کی قسم۔ لیکن یہ معنی اس لیے درست نہیں ہیں کہ اِن تین فقروں کے بعد یہ فقرہ کہ "پھر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری اُس پر الہام کر دی" اِس سلسلۂ کلام کے ساتھ ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ دوسرے مفسّرین نے یہاں مَا کو مَنْ یا اَلَّذِی کے معنی میں لیا ہے اور وہ ان فقروں کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جس نے آسمان کو قائم کیا، جس نے زمین کو بچھایا اور جس نے نفس کو ہموار کیا۔ یہی دوسرا مطلب ہمارے نزدیک صحیح ہے، اور اِس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مَا عربی زبان میں بے جان اشیا اور بے عقل مخلوقات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خود قرآن میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ مَا کو مَنْ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی

چھایا، اور نفسِ انسانی کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُسے ہموار کیا پھر اُس کی بدی اور اُس کی پرہیزگاری اُس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُس کو

میں عبادت کرتا ہوں)۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (پس عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو)۔ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرو)۔

سے ہموار کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایسا جسم عطا کیا جو اپنے قامتِ راست اور اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنے دماغ کے اعتبار سے انسان کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے موزوں ترین تھا۔ اُس کو دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کے ایسے حواس عطا کیے جو اپنے تناسب اور اپنی خصوصیات کی بنا پر اس کے لیے بہترین ذریعہ علم بن سکتے تھے۔ اس کو قوتِ عقل و فکر، قوتِ استدلال و استنباط، قوتِ حافظہ، قوتِ تمیز، قوتِ فیصلہ، قوتِ ارادی اور دوسری ایسی ذہنی قوتیں عطا کیں جن کی بدولت وہ دنیا میں اُس کام کے قابل ہوا جو انسان کے کرنے کا ہے۔ اِس کے علاوہ ہموار کرنے میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اُسے پیدائشی گناہ گار اور جبلّی بدمعاش بنا کر نہیں بلکہ راست اور سیدھی فطرت پر پیدا کیا اور اس کی ساخت میں کوئی کجی نہیں رکھ دی کہ وہ سیدھی راہ اختیار کرنا چاہے بھی تو نہ کر سکے۔ یہی بات ہے جسے سورۂ روم میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا "قائم ہو جاؤ اُس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے" (آیت ۳۰)۔ اور اِسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا ہے کہ "کوئی بچہ ایسا نہیں ہے جو فطرت کے سوا کسی اور چیز پر پیدا ہوتا ہو، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے جانور کے پیٹ سے پورا کا پورا صحیح و سالم بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم ان میں کسی کا کان کٹا ہوا پاتے ہو؟" (بخاری، ومسلم)۔ یعنی یہ مشرکین ہیں جو بعد میں اپنے اوہامِ جاہلیت کی بنا پر جانوروں کے کان کاٹتے ہیں، ورنہ خدا کسی جانور کو ماں کے پیٹ سے کٹے ہوئے کان لے کر پیدا نہیں کرتا۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے "میرا رب فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف (صحیح الفطرت) پیدا کیا تھا، پھر شیاطین نے آ کر اُن کو اُن کے دین (یعنی ان کے فطری دین) سے گمراہ کر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں اور ان کو حکم دیا کہ میرے ساتھ اُن کو شریک کریں جن کے شریک ہونے پر میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی" (مسند احمد۔ مسلم نے بھی اِس سے ملتے جلتے الفاظ میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے)۔

ؔ الہام کا لفظ لَہْم سے ہے جس کے معنی نگلنے کے ہیں۔ لَہِمَ الشَّیْءَ وَالْتَھَمَہٗ کے معنی ہیں فلاں شخص نے اس چیز کو نگل لیا۔ اور اَلْھَمْتُہُ الشَّیْءَ کے معنی ہیں مَیں نے فلاں چیز اُس کو نگلوا دی یا اس کے حلق سے اُتار دی۔ اسی بنیادی مفہوم کے لحاظ سے الہام کا لفظ اصطلاحاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تصور یا کسی خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اُتار دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے نفسِ انسانی پر اس کی بدی اور اس کی نیکی و پرہیزگاری الہام کر دینے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اندر خالق نے نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات و میلانات رکھ دیئے ہیں، اور یہ وہ چیز ہے جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات ودیعت کر دیئے ہیں کہ اخلاق میں کوئی چیز بھلائی ہے اور کوئی چیز بُرائی، اچھے اخلاق و اعمال اور بُرے اخلاق و اعمال یکساں نہیں ہیں، فجور (بدکرداری) ایک قبیح چیز ہے اور تقویٰ (برائیوں سے اجتناب) ایک اچھی چیز۔ یہ تصورات انسان کے لیے اجنبی نہیں ہیں بلکہ اُس کی فطرت اِن سے آشنا ہے اور خالق نے بُرے اور بھلے کی تمیز پیدائشی طور پر اُس کو عطا کر دی ہے یہی بات سُورۂ بلد میں فرمائی گئی ہے کہ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ ۔ "اور ہم نے اس کو خیر و شر کے دونوں نمایاں راستے دکھا دیئے" (آیت ۱۰)۔ اِسی کو سُورۂ دہر میں یُوں بیان کیا گیا ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا "ہم نے اس کو رستہ دکھایا خواہ شاکر بن کر رہے یا کافر" (آیت ۳)۔ اور اسی بات کو سُورۂ قیامہ میں اِس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے اندر ایک نفس لوامہ (ضمیر) موجود ہے جو بُرائی کرنے پر اسے ملامت کرتا ہے (آیت ۲) اور ہر انسان خواہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے مگر وہ اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہے (آیات ۱۴۔۱۵)۔

اِس جگہ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فطری الہام اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق پر اُس کی حیثیت اور نوعیت کے لحاظ سے کیا ہے، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے کہ اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی "جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت عطا کی پھر راہ دکھائی" (آیت ۵۰)۔ مثلاً حیوانات کی ہر نوع کو اس کی ضروریات کے مطابق الہامی علم دیا گیا ہے جس کی بنا پر مچھلی کو آپ سے آپ تیرنا، پرندے کو اُڑنا، شہد کی مکھی کو چھتہ بنانا اور بیئے کو گھونسلہ تیار کرنا آ جاتا ہے۔ انسان کو بھی اُس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے الگ الگ قسم کے الہامی علوم دیئے گئے ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے اور اِس حیثیت سے جو الہامی علم اُس کو دیا گیا ہے اُس کی ایک نمایاں ترین مثال بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ چوسنا ہے جس کی تعلیم اگر خدا نے فطری طور پر اسے نہ دی ہوتی تو کوئی اسے یہ فن نہ سکھا

ودبا دیا۔

سکھا سکتا تھا۔ اس کی دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک عقلی وجود ہے۔ اِس حیثیت سے خدا نے انسان کی آفرینش کے آغاز سے مسلسل اُس کو الہامی رہنمائی دی ہے جس کی بدولت وہ پے در پے اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا رہا ہے۔ اِن ایجادات و اکتشافات کی تاریخ کا جو شخص بھی مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جو محض انسانی فکر و کاوش کا نتیجہ ہو، ورنہ ہر ایک کی ابتدا اسی طرح ہوئی ہے کہ یکایک کسی شخص کے ذہن میں ایک بات آ گئی اور اُس کی بدولت اُس نے کسی چیز کا اکتشاف کیا یا کوئی چیز ایجاد کر لی۔ اِن دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان کی ایک اور حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک اخلاقی وجود ہے اور اِس حیثیت سے بھی اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و شر کا امتیاز، اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا کیا ہے۔ یہ امتیاز و احساس ایک عالمگیر حقیقت ہے جس کی بنا پر دنیا میں کبھی کوئی انسانی معاشرہ خیر و شر کے تصورات سے خالی نہیں رہا ہے، اور کوئی ایسا معاشرہ نہ تاریخ میں کبھی پایا گیا ہے نہ اب پایا جاتا ہے جس کے نظام میں بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا کی کوئی نہ کوئی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ اِس چیز کا ہر زمانے، ہر جگہ اور ہر مرحلۂ تہذیب و تمدن میں پایا جانا اِس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے اور مزید براں یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ایک خالقِ حکیم و دانا نے اِسے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے، کیونکہ جن اجزاء سے انسان مرکب ہے اور جن قوانین کے تحت دنیا کا مادّی نظام چل رہا ہے اُن کے اندر کہیں اخلاق کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔

۷؎ یہ ہے وہ بات جس پر اُن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہوئی ہیں۔ اب غور کیجیے کہ وہ چیزیں اِس پر کس طرح دلالت کرتی ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جن حقائق کو وہ انسان کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے، اُن کی شہادت میں وہ سامنے کی چند ایسی نمایاں ترین چیزوں کو پیش کرتا ہے جو ہر آدمی کو اپنے گرد و پیش کی دنیا میں، یا خود اپنے وجود میں نظر آتی ہیں۔ اسی قاعدے کے مطابق یہاں دو دو چیزوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں پیش کیا گیا ہے جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں اس لیے اُن کے آثار اور نتائج بھی یکساں نہیں ہیں بلکہ لازماً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک طرف سورج ہے اور دوسری طرف چاند۔ سورج کی روشنی نہایت تیز ہے اور اس میں گرمی بھی ہے۔ اس کے مقابلہ میں چاند اپنی کوئی روشنی نہیں رکھتا۔ سورج کی موجودگی میں وہ آسمان پر موجود بھی ہو تو بے نور ہوتا ہے۔ وہ اس وقت چمکتا ہے

جب سورج چھپ جاتے، اور اُس وقت بھی اس کی روشنی نہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ رات کو دن بنا دے، نہ اُس میں کوئی گرمی ہوتی ہے کہ وہ کام کرسکے جو سورج کی گرمی کرتی ہے لیکن اُس کے اپنے کچھ اثرات ہیں جو سورج کے اثرات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ اِسی طرح ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف رات۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں کے اثرات اور نتائج باہم اس قدر مختلف ہیں کہ کوئی اُن کو یکساں نہیں کہہ سکتا حتیٰ کہ ایک بے وقوف سے بے وقوف آدمی کے لیے بھی یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ رات ہوئی تو کیا اور دن ہُوا تو کیا، کسی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ایک طرف آسمان ہے جسے خالق نے بلند اٹھایا ہے اور دوسری طرف زمین ہے جسے پیدا کرنے والے نے آسمان کے نیچے فرش کی طرح بچھا دیا ہے۔ دونوں اگرچہ ایک ہی کائنات اور اس کے نظام اور اس کی مصلحتوں کی خدمت کر رہے ہیں، لیکن دونوں کے کام اور ان کے اثرات و نتائج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِن آفاقی شہادتوں کو پیش کرنے کے بعد خود انسان کے اپنے نفس کو لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسے اعضا اور حواس اور ذہنی قوتوں کے تناسب امتزاج سے ہموار کرکے خالق نے اس کے اندر بھلائی اور برائی، دونوں کے میلانات، رجحانات اور محرکات رکھ دیئے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور الہامی طور پر اُسے اِن دونوں کا فرق سمجھا دیا ہے کہ ایک فجور ہے اور وہ بُری چیز ہے، اور دوسرا تقویٰ ہے، اور وہ اچھی چیز۔ اب اگر سورج اور چاند، دن اور رات، زمین اور آسمان یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے اثرات اور نتائج ایک دوسرے سے لازماً مختلف ہیں، تو نفس کا فجور اور تقویٰ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ انسان خود اس دنیا میں بھی نیکی اور بدی کو یکساں نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا۔ خواہ اس نے اپنے بنائے ہوئے فلسفوں کی رُو سے خیر و شر کے کچھ بھی معیار تجویز کر لیے ہوں، بہرحال جس چیز کو بھی وہ نیکی سمجھتا ہے اس کے متعلق وہ یہ رائے رکھتا ہے کہ وہ قابلِ قدر ہے، تعریف اور صلے اور انعام کی مستحق ہے۔ بخلاف اِس کے جس چیز کو بھی وہ بدی سمجھتا ہے اس کے بارے میں اس کی اپنی بے لاگ رائے یہ ہے کہ وہ مذمت اور سزا کی مستحق ہے لیکن اصل فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اُس خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کا فجور اور تقویٰ اُس پر الہام کیا ہے۔ فجور وہی ہے جو خالق کے نزدیک فجور ہے اور تقویٰ وہی ہے جو اس کے نزدیک تقویٰ ہے۔ اور خالق کے ہاں اِن دونوں کے دو الگ نتائج ہیں۔ ایک کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے وہ فلاح پائے، اور دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے نفس کو دبا دے وہ نامراد ہو۔

تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا، اُبھارنا اور نشو و نما دینا۔ سیاق و سباق سے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو

اپنے نفس کو فجور سے پاک کرے، اُس کو اُبھار کر تقویٰ کی بلندی پر لے جائے اور اُس کے اندر بھلائی کو نشو و نما دے وہ فلاح پائے گا۔ اس کے مقابلہ میں دسّٰھا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مصدر تَدْسِیَہ ہے۔ تدسیہ کے معنی دبانے، چھپانے، اغوا کرنے اور گمراہ کر دینے کے ہیں۔ سیاق و سباق سے اس کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شخص نامراد ہوگا جو اپنے نفس کے اندر پائے جانے والے نیکی کے رجحانات کو اُبھارنے اور نشو و نما دینے کے بجائے اُن کو دبا دے، اُس کو بہکا کر بُرائی کے رجحانات کی طرف لے جائے، اور فجور کو اُس پر اتنا غالب کر دے کہ تقویٰ اس کے نیچے اِس طرح چھپ کر رہ جائے جیسے ایک لاش قبر پر مٹی ڈال دینے کے بعد چھپ جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ قد افلح من زکّی اللہ نفسہٗ وقد خاب من دسّی اللہُ نفسہٗ، یعنی فلاح پا گیا وہ جس کے نفس کو اللہ نے پاک کر دیا اور نامراد ہوا وہ جس کے نفس کو اللہ نے دبا دیا۔ لیکن یہ تفسیر اوّل تو زبان کے لحاظ سے قرآن کے طرزِ بیان کے خلاف ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو یہی بات کہنی مقصود ہوتی تو وہ یُوں فرماتا کہ قد اَفلحت من زکّاھا اللہُ وقد خابت من دسّاھا اللہُ (فلاح پا گیا وہ نفس جس کو اللہ نے پاک کر دیا اور نامراد ہو گیا وہ نفس جس کو اللہ نے دبا دیا)۔ دوسرے یہ تفسیر اِسی موضوع پر قرآن کے دوسرے بیانات سے ٹکراتی ہے۔ سُورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی، "فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی" (آیت ۱۴)۔ سُورۂ عبس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّکّٰی، "اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی نہ اختیار کرے"۔ ان دونوں آیتوں میں پاکیزگی اختیار کرنا بندے کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں جگہ جگہ یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اِس دنیا میں انسان کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ مثلاً سُورۂ دہر میں فرمایا "ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کی آزمائش کریں اِسی لیے اُسے ہم نے سمیع و بصیر بنایا" (آیت ۲)۔ اور سُورۂ مُلک میں فرمایا "جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تمہیں آزمائے کون تم میں بہتر عمل کرنے والا ہے" (آیت ۲)۔ اب یہ ظاہر ہے کہ امتحان سرے سے ہی بے معنی ہو جاتا ہے اگر امتحان لینے والا پہلے ہی ایک امیدوار کو اُبھار دے اور دوسرے کو دبا دے۔ اِس لیے صحیح تفسیر وہی ہے جو قتادہ، عِکرِمہ، مجاہد اور سعید بن جُبیر نے بیان کی ہے کہ زکّاھا اور دسّاھا کا فاعل بندہ ہے نہ کہ خدا۔ رہی وہ حدیث جو ابن ابی حاتم نے عَنْ جُوَیْبِر بن سعید عن الضحّاک عن ابن عباس کی سند سے نقل کی ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ افلحت نفسٌ زکاھا اللہ عزّ وجلّ (فلاح پا گیا وہ نفس جس کو اللہ عزّ وجلّ نے

ثمودؓ نے اپنی سرکشی کی بنا پر جھٹلایاؓ جب اُس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی بپھر کر اٹھا تو اللہ

پاک کر دیا)، تو یہ ارشاد درحقیقت حضورؐ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں جُویبر متروک الحدیث ہے اور ابن عباس سے ضحاک کی ملاقات نہیں ہوتی ہے۔ البتہ وہ حدیث صحیح ہے کہ جو امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ آتِ نفسی تقوٰھا وزکّھا انتَ خیر من زکّاھا، انت ولیّھا ومولاھا۔ "خدایا میرے نفس کو اُس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاکیزہ کر، تو ہی وہ بہتر ہستی ہے جو اس کو پاکیزہ کرے، تو ہی اُس کا سرپرست اور مولیٰ ہے"۔ اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں حضورؐ کی یہ دعا حضرت عبداللہ بن عباس سے طَبَرانی، ابنِ مَرْدُوْیَہ اور ابن المُنذِر نے اور حضرت عائشہؓ سے امام احمد نے نقل کی ہے۔ اس کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ بندہ تو صرف تقویٰ اور تزکیہ کی خواہش اور طلب ہی کر سکتا ہے، رہا اس کا نصیب ہو جانا، تو وہ بہرحال اللہ ہی کی توفیق پر منحصر ہے۔ اور یہی حال تدسیہ کا بھی ہے کہ اللہ زبردستی کسی کے نفس کو نہیں دباتا، مگر جب بندہ اُس پر تُل جائے تو اللہ تعالیٰ اُسے تقویٰ اور تزکیہ کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے اور اُسے چھوڑ دیتا ہے کہ اپنے نفس کو جس گندگی کے ڈھیر میں دبانا چاہے دبا دے۔

ک۵ اوپر کی آیات میں جن باتوں کو اصولاً بیان کیا گیا ہے اب انہی کی وضاحت ایک تاریخی نظیر سے کی جا رہی ہے۔ یہ کس بات کی نظیر ہے اور اوپر کے بیان سے اس کا کیا تعلق ہے، اس کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کے دوسرے بیانات کی روشنی میں اُن دو بنیادی حقیقتوں پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے جو آیات ۷ تا ۱۰ میں بیان کی گئی ہیں۔

اولاً اُن میں فرمایا گیا ہے کہ نفس انسانی کو ایک ہموار و مستقیم فطرت پر پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اُس کا فجور اور اُس کا تقویٰ اُس پر الہام کر دیا۔ قرآن اِس حقیقت کو بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ فجور و تقویٰ کا یہ الہامی علم اِس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہر شخص خود ہی اُس سے تفصیلی ہدایت حاصل کر لے، بلکہ اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کو مفصل ہدایت دی جس میں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا کہ فجور کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے جن سے بچنا چاہیے اور تقویٰ کس چیز کا نام ہے اور وہ کیسے حاصل ہوتا ہے۔ اگر انسان وحی کے ذریعہ سے آنے والی اِس واضح ہدایت کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے نہ تقویٰ کا راستہ پا سکتا ہے۔

کے رسول نے اُن لوگوں سے کہا کہ خبردار، اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا، اور اس کے پانی پینے میں مانع نہ ہونا۔[۹] مگر انہوں نے اُس کی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔[۱۰] آخر کار ان کے گناہ

ثانیاً اِن آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جزا اور سزا وہ لازمی نتائج ہیں جو فجور اور تقویٰ میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مترتب ہوتے ہیں۔ نفس کو فجور سے پاک کرنے اور تقویٰ سے ترقی دینے کا نتیجہ فلاح ہے، اور اس کے اچھے رُجحانات کو دبا کر فجور میں غرق کر دینے کا نتیجہ نامرادی اور ہلاکت و بربادی۔

اسی بات کو سمجھانے کے لیے ایک تاریخی نظیر پیش کی جا رہی ہے اور اس کے لیے ثمود کی قوم کو بطور نمونہ لیا گیا ہے، کیونکہ پچھلی تباہ شدہ قوموں میں سے جس قوم کا علاقہ اہلِ مکّہ سے قریب ترین تھا وہ یہی تھی۔ شمالی حجاز میں اُس کے تاریخی آثار موجود تھے جن سے اہلِ مکّہ شام کی طرف اپنے تجارتی سفروں میں ہمیشہ گزرتے رہتے تھے، اور جاہلیّت کے اشعار میں جس طرح اس قوم کا ذکر کثرت سے آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب میں اس کی تباہی کا چرچا عام تھا۔

[۸] یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کو جھٹلا دیا جو اُن کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے، اور اِس جھٹلانے کی وجہ اُن کی یہ سرکشی تھی کہ وہ اُس فجور کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے اور اُس تقویٰ کو قبول کرنا انہیں گوارا نہ تھا جس کی طرف حضرت صالح انہیں دعوت دے رہے تھے۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الاعراف، آیات ۷۳ تا ۷۶۔ ہود، آیات ۶۱-۶۲۔ الشُّعراء، آیات ۱۴۱ تا ۱۵۳۔ النمل، آیات ۴۵ تا ۴۹۔ القمر، آیات ۲۳ تا ۲۵۔

[۹] قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس کی تفصیل یہ بتائی گئی ہے کہ ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو۔ اس پر حضرت صالح نے ایک اونٹنی کو معجزے کے طور پر ان کے سامنے حاضر کر دیا اور اُن سے کہا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے، یہ زمین میں جہاں چاہے گی چرتی پھرے گی، ایک دن سارا پانی اِس کے لیے مخصوص ہوگا اور دوسرا دن تم سب کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے رہے گا، اگر تم نے اس کو ہاتھ لگایا تو یاد رکھو کہ تم پر سخت عذاب نازل ہو جائے گا۔ اس پر وہ کچھ مدت تک ڈرتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنے اُس سب سے زیادہ شریر اور سرکش سردار کو پکارا کہ اس اونٹنی کا قصّہ تمام کر دے اور وہ اس کام کا ذمّہ لے کر اٹھ کھڑا ہوا (الاعراف، آیت ۷۳۔ الشعراء، آیات ۱۵۴ تا ۱۵۶۔ القمر، آیت ۲۹)۔

کی پاداش میں ان کے رب نے ان پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اور اُسے (اپنے اِس فعل کے) کسی بُرے نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔[۱۱] ع

ع ۱

---

[۱۰] سورۂ اعراف میں ہے کہ اونٹنی کو مارنے کے بعد ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح سے کہا اب لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے (آیت ۷۷)۔ اور سورۂ ہود میں ہے کہ حضرت صالح نے اُن سے کہا تین دن اپنے گھروں میں اور مزے کر لو، اِس کے بعد عذاب آجائے گا اور یہ ایسی تنبیہ ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی (آیت ۶۵)۔

[۱۱] یعنی اللہ دنیا کے بادشاہوں اور یہاں کی حکومتوں کے فرمانرواؤں کی طرح نہیں ہے کہ وہ کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اِس اقدام کے نتائج کیا ہونگے۔ اُس کا اقتدار سب سے بالاتر ہے۔ اُسے اس امر کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی حامی کوئی ایسی طاقت ہے جو اس سے بدلہ لینے کے لیے آئے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلم

جناب نعیم صدیقی صاحب ڈائرکٹر ادارۂ مطالعہ و تحقیق

(۲)

اس سلسلے میں یہ وضاحت شاید مفید ہو گی کہ تاریخ کے مطالعہ میں اسلامی حکمتِ علم جس چیز پر ہماری توجہات کو مرتکز کرتی ہے وہ "سُنۃُ اللہ"[۲۲] اور "اَمرُ اللہ"[۲۳] ہے۔ اس سُنۃُ اللہ اور اَمرُ اللہ کے زیرِ عنوان آنے والے قوانین و نوامیس میں سے جو زیادہ جامع بدیہی اور اساسی ہیں ان کی تصریح مثالوں کے ساتھ قرآن نے کر دی ہے۔ تاریخ کا صحیح مطالعہ کر کے مزید شواہد دریافت کیے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح مطالعہ کائنات کے سلسلے میں قرآن کی ایک اصطلاح بہت اہم ہے اور وہ ہے "آیت"۔ جس طرح آیاتِ قرآن علمِ حقیقت اور علمِ حوادث سے بہرہ مند ہونے کے لیے ہماری رہنما ہیں، اسی طرح مادی کائنات میں پائے جانے والے تمام مظاہر تلاشِ حقیقت کے سفر میں ہمارے لیے نشاناتِ راہ ہیں[۲۴] اور ان پر بھی آیات کا اطلاق ہوتا ہے۔ کائنات کی "آیات" سے ایک فلسفی اور ایک سائنس دان یکساں استفادہ کر سکتے ہیں بلکہ ان آیات میں جمال کا جو پہلو پایا جاتا ہے اس سے ادیب، شاعر، مصوّر، اور جملہ فنونِ لطیفہ کے دلدادگان بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔

یہاں اس اشارے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کائنات کی آیات اور تاریخ میں کام کرنے والے نوامیس الہامی تعلیم کی آیات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اور یہی ہم آہنگی الہامی تعلیم کی صحت و صداقت کے لیے ایک مؤثر عقلی دلیل قرار پاتی ہے۔

اس الہامی ذریعۂ علم سے ہمارے حسّی و قیاسی ذرائع حصولِ علم کی کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے اور ہمیں

۲۲ ملاحظہ ہو آیت : ۱۷-۷۷

۲۳ ملاحظہ ہوں آیات : ۸-۴۴، ۱۱-۱۶، ۱-۱۶، ۲۳-۳۸

۲۴ ملاحظہ ہوں آیات : ۱۲-۱۰۵، ۱۶-۱۲ و ۱۳، ۱۶-۹۷، ۱۲-۷۰، ۳-۱۳، ۱۰-۹۲

ایسے یقینیات حاصل ہو جاتے ہیں جن پر انفرادی کردار اور اجتماعی تمدن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ یہ الہامی یقینیات نظامِ تمدن میں اسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، جیسے ریاضی میں دو اور دو چار کا فارمولا ہے۔

نبوت جہاں ہمیں بعض تفصیلی احکام و قوانین اور حدود و شعائر کا سرمایہ فراہم کرتی ہے۔ وہاں اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ وہ ہمیں "العلم" (THE KNOWLEDGE) یا اساسی علم (THE BASIC KNOWLEDGE) بہم پہنچاتی ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں مرکزی حقیقتِ عظمیٰ (THE GREAT CENTRAL REALITY) کا شعور ملتا ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں رہنما اصولِ حیات (GUIDING PRINCIPLES) اور بنیادی صداقتوں (FUNDAMENTAL TRUTHS)، نیز مستقل اخلاقی قدروں (PERMANANT MORALVALUES) کی دولتِ نایاب ہاتھ آتی ہے۔ اس قسم کے اٹل یقینیات کو قرآن "قولِ ثابت"[۲۵] قرار دیتا ہے جو کردار اور تہذیب کی اساس کے طور پر اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ ان اساسی حقائق و قوانین کے چوکھٹے میں دیگر تفصیلی ضوابط ترتیب پاتے ہیں۔

یہی وہ علم ہے جسے وراثۃ الانبیاء قرار دیا گیا اور یہی وہ العلم ہے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے[۲۶]۔ ورنہ اگر یہاں علم سے مراد جملہ اقسام کے علوم لیے جائیں تو پھر ہر مسلمان پر لازم ہوگا کہ وہ روئی دھننے اور چمڑے کی دباغت کرنے سے لے کر انجینئری اور ڈاکٹری اور جوہری توانائی اور خلائی پرواز تک کے سارے علوم حاصل کرے اور نہ کر سکے تو ترکِ فرض کے جرم کی سزا کا مستحق قرار پائے۔

فی الحقیقت سارے کا سارا قرآن اسی "العلم" کا آئینہ دار ہے اور نبی اکرم نے بہ حیثیت معلمِ کتاب و حکمت اصل زور اسی العلم کو پھیلانے پر صرف کیا ہے۔ اس کی مختصر جامع تعریف حضورؐ نے ان الفاظ میں کی ہے کہ "وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے" (روایت ابوہریرہ۔ مشکوٰۃ کتاب العلم)

علم کا آخری مقصد کیا ہے؟ قرآنی اصطلاحات کے مطابق اس سوال کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ علمِ حق کے ذریعے عملِ صالح کا حصول اعمالِ صالحہ سے حیاتِ طیبہ کی تشکیل، اور حیاتِ طیبہ سے نفسِ مطمئنہ کے مقام تک رسائی ——— علم کا مقصود ہے۔

---

۲۵ ملاحظہ ہو آیت: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ

(۱۴ - ۲۷)

۲۶ ملاحظہ ہو حدیث: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

اگر ذرا اور اجمال سے کام لیا جائے کہنا یہ چاہیے کہ علم کا کام یہ ہے کہ وہ غلط اور صحیح، حق اور باطل مفید اور مضر، نیکی اور بدی کو الگ الگ چھانٹ کر ہمارے سامنے رکھ دے۔ تعلیمِ نبوت کا منتہا رشد وغی میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے[27] نبی کی تعلیم کا فرقان ہونا لازم ہے[28]۔

اسلامی حکمتِ علم کی پوری تفاصیل کو سمیٹنے کے لیے ایک مستقل مقالہ چاہیے یہاں محض بیان کردہ چند نکات پر اکتفا کیے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ یہ غلط فہمی رفع کر دینا ضروری ہے کہ العلم کی مذکرہ اہمیت کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے طبعی اور عقلی علوم سے توجہ ہٹائی جائے جن کی مدد کے بغیر انسانی زندگی کی بہت سی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔

قابلِ لحاظ بات صرف یہ ہے کہ ہمیں "العلم" کی اساس پر تمام علوم کو مدون کرنا چاہیے اور اپنے نظامِ تعلیم اور نصابات کے لیے اسی کو محور بنانا چاہیے۔ یہ ہے تعلیمی انقلاب کا نقطۂ آغاز جس کو کارپردازانِ تعلیم نے اب تک نہیں سمجھا اور ہم ایک ناسازگار اور نامطلوب نظامِ تعلیم کے زندان میں محبوس ہیں۔

حضورؐ ایک تعلیمی تحریک کے سربراہ تھے!

جب کبھی کوئی نبی اٹھتا ہے تو وہ ایک ہمہ گیر تہذیبی انقلاب اور ایک تعلیمی تحریک کا علمبردار بھی ہوتا ہے۔ حضورؐ بھی زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی لانے کے لیے دینِ حق کو لے کر مبعوث ہوئے اور عقائد و افکار سے لے کر احکام و قوانین تک ہر چیز کی تعمیرِ نو کا کام آپ کے سامنے تھا۔ اتنا بڑا کام انجام دینے کے لیے حضورؐ معلم الناس ہی نہیں تھے، ایک وسیع تعلیمی تحریک کے سربراہ بھی تھے۔

اسلام جس طرح دینِ ہدایت ہے، اسی طرح بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دینِ علم اور دینِ تعلیم و تعلم بھی ہے جس دین کا آغاز حکمِ "اِقْرَاْء" سے ہوتا ہو[29]۔ جس کے اصل مخاطب اولوالالباب ہوں[30] جن کے اسرار و رموز کو پا کر ایمان کے معیارِ کمال تک پہنچنے والے الراسخون فی العلم ہوں[31] جو براہین پیش کر کے مخالفین سے بیّنات و براہین طلب کرتا ہو[32] جو تدبر و تفکر کا مطالبہ کرتا ہو، اور جو سمع، بصر اور فواد سے کام نہ لینے

---

[27] ملاحظہ ہو آیت: قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲ : ۲۵۶) [28] هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (۲ : ۱۸۵) [29] اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ (۹۶ : ۱) [30] لِيَدَّبَّرُوْا آيَاتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸-۲۹) [31] وَالرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ (۳ : ۷)

[32] ملاحظہ ہو آیت هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (۲۸-۷۵)

والوں کو مویشیوں سے بدتر قرار دیتا ہو[۳۳] - جو کتابِ الٰہی کا پشتارہ کندھوں پر لاد کر اس میں غور و فکر نہ کرنے والوں کو ایسے گدھے سے تشبیہ دیتا ہو جس پر علم کا دفتر لدا ہو[۳۴] - اس کے بارے میں یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانیت کے لیے ایک تعلیمی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔

دینِ حق کی تعلیمی تحریک کے سربراہ کی حیثیت سے حضورؐ کے لیے پورا معاشرہ کلاس روم تھا۔ اور آپ ذہنی و فکری لحاظ سے بھی تعلیم دینے والے تھے۔ اخلاقی و معاشرتی لحاظ سے بھی فریضۂ تعمیر ادا کرنے والے تھے، سیاست و اقتصاد کے دائروں میں بھی صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرنے والے تھے اور مخالف و مزاحم تخریبی قوتوں کے مقابلے میں جنگاہ کے اندر بھی کمان کرنے والے تھے۔ حضورؐ نے عملاً تعلیمی تحریک چلا کر توسیعِ علم کے لیے جو کام کیا اس کا بڑا نمایاں نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں تک حضورؐ کا پیغام پہنچا ان کے اندر طلبِ علم کی اتھاہ پیاس پیدا ہو گئی اور جوں جوں دینِ حق پھیلتا گیا ہر قسم کی علمی ترقیات کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔

نبی اکرمؐ کا معلمانہ منصب اور حکمتِ تعلیم

قرآن میں ایک سے زیادہ مرتبہ حضورؐ کو معلّمِ کتاب و حکمت اور مزکّی قرار دیا گیا ہے[۳۵]۔ حضورؐ خود اپنے آپ کو معلّم قرار دیتے ہیں[۳۶]۔ مسجدِ نبوی میں بیک وقت آپؐ ایک طرف حلقۂ ذکر دیکھتے ہیں اور دوسری طرف مجلسِ تعلیم و تعلّم، تو دونوں کا استحسان کرتے ہوئے مجلسِ تعلیم کو ترجیح دے کر اس میں جا شریک ہوتے ہیں[۳۷]۔ حضورؐ نے رات کے تھوڑے سے حصے میں تعلیم دینے کو شب زندہ دارانہ عبادت سے افضل قرار دیا[۳۸]۔

آئیے ذرا ایک نظر اس تعلیمی حکمت پر بھی ڈالتے چلیں جس سے حضورؐ نے بہ حیثیت معلّم کام لیا اور بعد کے معلّمین کے لیے واضح نشاناتِ راہ چھوڑ گئے۔ حضورؐ کی حکمتِ تعلیم کے نکات کو نمبر وار پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) قرآن میں حضورؐ کے لیے معلمانہ ذمّہ داری کو بلاغِ مبین تک محدود کر دیا گیا ہے[۳۹]، یعنی وضاحت سے بات پہنچا دینا اور تفہیم کا حق ادا کر دینا ہر سچے معلّم کی معلمانہ ذمّہ داری ہے۔

---

۳۳ ملاحظہ ہو آیت : هُمْ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (۷-۱۷۹)

۳۴ ملاحظہ ہو آیت : مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (۶۲-۵)

۳۵ ملاحظہ ہوں آیات ، ۶۲-۲ ، ۲-۲۰۲ ، ۱۲، ۳-۱۶۴ - ۳۶ مشکوٰۃ - کتاب العلم - روایت عبداللہ بن عمر ۳۷ ایضاً

۳۸ مشکوٰۃ - کتاب العلم - روایت ابن عباس۔

۳۹ ملاحظہ ہو آیت : فعلیک البلاغ (۳-۱۰، ۱۳-۱۴، و دیگر آیات)

اوپر کے اصول کا دوسرا پہلو یہ کہ حضورؐ پر واضح کیا گیا کہ آپ مخاطب لوگوں کے لیے چوبدار یا جبار نہیں بنائے گئے ہیں[۲۱] یعنی معلمانہ کام کی روح محبت و خیر خواہی ہے۔ اس فریضہ کو انجام دینے میں جبر و تشدد کی اسپرٹ راس نہیں بیٹھتی۔

(۳) حضورؐ کو جو حکمت تعلیم سکھائی گئی اس کا تقاضا یہ ہے کہ معلم نرم خو ہو۔ تند خو نہ ہو[۲۲]، بصورت دیگر ما تو زیر تعلیم جماعت تتر بتر ہو جائے گی یا آج کل کے نظام میں اگر اسے کلاس روم میں بیٹھنے کا پابند کیا گیا تو کم سے کم طلبہ کے دل و دماغ ضرور کلاس روم سے فرار کر جائیں گے۔ حضورؐ نے خود اپنے رفقائے کار کو ہدایات دیں کہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات نہ پیدا کرو، ان کو بشارت دینے والے بنو، نفرت دلانے والے نہ بنو[۲۳]

(۴) حضورؐ کے سامنے اپنا تعلیمی نصب العین پوری طرح واضح تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ایک ایسی مرکزی جماعت کا تیار کرنا جو ساری انسانیت کے سامنے خدا پرستانہ نظام حیات کی صداقت کی گواہی دے سکے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس نظام حیات کو چلانے کے لیے ایمان و کردار سے آراستہ لیڈر، افسر، کارکن اور شہری تیار کیے جائیں۔

(۵) حضورؐ کی حکمت تعلیم ہمیں معلمانہ کام کا مشنری تصور دلاتی ہے۔ ہر نبی نے اپنی مخاطب قوم کو تعلیم حق دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا[۲۴] میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ یہی اصول حضورؐ کا بھی تھا۔ اور آپ نے اپنے تیار کردہ معلمین کو اس سے منع فرمایا کہ وہ شاگردوں اور طلبہ سے کوئی حق الخدمت وصول کریں۔

اس اصول سے یہ بات لازمی نتیجے کے طور پر اخذ ہوتی ہے کہ معلم کا کام کسی بڑھئی یا ترکھان یا آہنگر کی طرح

---

[۲۱] ملاحظہ ہوں آیات: وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (۵۰-۴۵) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸-۲۲)

[۲۲] ملاحظہ ہو آیت: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (۳-۱۵۹)۔ نیز ملاحظہ ہو: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۵-۸۸)

[۲۳] حدیث: یسروا ولا تعسروا، بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا (ریاض الصالحین۔ باب العلم والاناۃ والرفق۔ معایت حضرت انس) نیز حدیث: انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔ بخاری روایت ابی ہریرہ۔

[۲۴] ملاحظہ ہو آیت: لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا (۳۶-۲۱)

کا پیشہ ورانہ کام نہیں ہے کہ جس نے پیسے دیئے اس کے حسبِ منشا کام کر دیا۔ بلکہ یہ مشنری سپرٹ سے کرنے کا کام ہے اور اسے وہی انجام دے سکتا ہے جو اس چیز کا خود قائل ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو جس کی تعلیم دینے وہ چلا ہے۔ اسلامی نظامِ تعلیم میں مخالفینِ اسلام یا منافقین کے لیے کام کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے چنانچہ حضورؐ کا ایک ارشاد ہے کہ منافق میں تفقہ فی الدین کی صفت نہیں پیدا ہو سکتی[۴۴]

تعلیم کے اس مشنری تصور کے ساتھ جب بڑے پیمانے پر تعلیمی ادارات قائم کر کے کثیر التعداد معلمین سے ان کا پورا وقت لیا جاتا ہو تو اس صورت میں یہ ذمہ داری ریاست کی ہے کہ وہ ان کی کفالت کا انتظام کرے۔

(۶) تعلیم کے مشنری کام کو سرانجام دینے کے لیے اوپر کے اشارات کے مطابق معلم میں جہاں اپنے مخاطبین کے لیے محبت و خیر خواہی اور نرم خوئی کے جذبات ہونے چاہییں وہاں حضورؐ کے مسلک کا تقاضا یہ ہے کہ خوش آئند طرزِ تکلم اختیار کیا جائے[۴۵] اور بحث و اختلاف کا موقع پیش آئے تو جدالِ احسن سے کام لیا جائے یعنی خوشگوار انداز میں تبادلہ خیالات کیا جائے[۴۶]

(۷) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم کا ایک تقاضا یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی عقلی و ذہنی استعداد کے مطابق خطاب کیا جائے۔ اس میں عمر کو بھی ملحوظ رکھنا ہو گا، شہری اور دیہاتی کے فرق پر بھی نگاہ رکھنی ہو گی، مبتدی اور منتہی کے مراتب کا خیال بھی کرنا ہو گا۔

(۸) حضورؐ نے تعلیم و تربیت میں تدریج کے اصول کو اختیار کیا۔ ایک حدیث میں قبائل میں جا کر تعلیم و تبلیغ کا کام کرنے والوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ چھوٹتے ہی دین کے سارے تقاضے لوگوں کے سامنے رکھ کر انہیں دہلا نہ دیا جائے بلکہ پہلے انہیں اساسی کلمہ کا قائل بنایا جائے، پھر اگر وہ توحید و رسالت کو مان لیں تو ان کو نماز کی دعوت دی جائے پھر اس کے بعد روزہ، زکوٰۃ اور حج کی دعوت دی جائے[۴۷]۔

(۹) حضورؐ کی حکمتِ تعلیم میں ایک اصولی بات یہ ملتی ہے کہ آپ مخاطب جماعت کی اکتاہٹ

۴۴؎ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت ابی ہریرہؓ۔

۴۵؎ ملاحظہ ہو آیت: قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (۲: ۸۳)

۴۶؎ ملاحظہ ہو آیت: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۲۹-۴۶)

۴۷؎ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ روایت ابن عباس)

کا پورا خیال رکھتے تھے کہ تعلیم و خطاب کا سلسلہ اتنا بوجھل نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ اکتانے لگیں۔ عبداللہ بن مسعود نے حضورؐ کی اس خوبی کو بیان کیا ہے کہ آپ مناسب وقفوں پر خطاب فرماتے تھے۔[۴۸]

حضورؐ کے اس اصول کی ایک شہادت حضرت ابن عباس کی طرف سے حضرت عکرمہ نے ہم تک پہنچائی ہے کہ ابن عباس نے حضرت کے مسلک کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں یہ تلقین کی کہ لوگوں کو ہفتے میں ایک بار جمعہ کے دن تعلیم دو۔ اگر زیادہ کی ضرورت ہو تو دو بار یا حد سے حد تین بار۔[۴۹]

اس اصول کی بنا پر حضورؐ ہمیشہ مختصر تعلیمی خطاب فرماتے تھے جو تیر بہدف ہوتے تھے۔ حضورؐ کا سب سے طویل خطبہ حجۃ الوداع کا خطبہ ہے۔ مگر وہ بھی اپنی جگہ بے حد مختصر ہے۔

پھر ایک خاص بات یہ سامنے آتی ہے کہ احادیث میں مختلف افراد اور مجالس سے حضورؐ کی جن تعلیمی گفتگوؤں کا ریکارڈ ملتا ہے ان میں سے بعض میں ایک بات، بعض میں دو باتیں اور بعض میں چار یا پانچ باتیں ملتی ہیں کوئی مثال ایسی نہیں ہے کہ بیسیوں تلقینات اور نصیحتیں ایک ہی سانس میں کر ڈالی گئی ہوں۔

(۱۰) تعلیم و تدریس کے لیے طلبِ علم کی ذہنی فضا موجود ہونا ضروری ہے، چنانچہ حضورؐ کی معلمانہ حکمت یہ بھی تھی کہ مجالسِ صحابہ میں جب تشریف لاتے تو جن موضوعات پر گفتگو ہو رہی ہوتی، ان کا تسلسل جاری رہنے دیتے، اور خود بھی ان میں حصہ لیتے۔ تعلیمی گفتگو کے لیے آپ یا تو طلبِ علم کی فضا کے متلاشی رہتے جو کسی سوال یا بحث یا اجتماعی قضیے سے از خود پیدا ہو جاتی، یا پھر خوبصورت طریقے سے ایسی فضا پیدا فرماتے۔

اسی بنا پر حضرت ابنِ عباس نے یہ کہا کہ جب کسی مجلس کے لوگ اپنی باتوں میں مشغول ہوں تو ان کی باتوں کو منقطع کر کے تعلیم و تبلیغ شروع نہ کرو، بلکہ خاموش رہو، تا آنکہ لوگ خود ہی حصولِ علم کی خواہش کریں، یعنی کوئی سوال اٹھائیں۔[۵۱]

(۱۱) معلمی کا فریضہ اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ معلم اپنے مخاطب گروہ کی توجہات کو مرتکز نہ کرے۔ چنانچہ حضورؐ نے توجہات کو اپنی بات کی طرف مرتکز کرنے کے لیے مختلف مؤثر صورتیں

۴۸۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عبداللہ بن مسعود (مسلم و بخاری)

۴۹۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عکرمہ۔ (بخاری)

۵۰۔ حدیث (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عبداللہ بن عمرو)۔

۵۱۔ مشکوٰۃ۔ کتاب العلم۔ روایت عکرمہ۔

اختیار فرمائیں۔ مثلاً:۔

—— کبھی چونکا دینے والی کسی بات سے آغاز کلام کیا گیا۔ جیسے یہ قرآنی پیرایۂ آغاز سورہ کہ "آن پہنچا اس کا فیصلہ"[۵۲]

—— کبھی سوال سے گفتگو شروع فرماتے مثلاً کیا تم فلاں بات جاننا چاہتے ہو یا کیا میں تم کو بھلائی کے راستے نہ بتاؤں، یا مثلاً هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا[۵۳] یا مثلاً خطبہ حجۃ الوداع کے آغاز میں مجمع سے دریافت کیا یہ کونسا شہر ہے؟ یہ کونسا مہینہ ہے؟ یہ کونسا دن ہے[۵۴]؟

—— کبھی کوئی حیرت زا منظر ذہنوں کے سامنے آراستہ فرما دیتے مثلاً "جب آسمان پھٹ جائیگا" جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب دریا اپنی رودگاہوں سے باہر نکل کر آپس میں مل جائیں گے اور جب قبریں کھول دی جائیں گی[۵۵]"

اس سلسلے میں زیادہ مثالیں پیش کرنا غیر ضروری ہے۔

(۱۲) اصولِ تکرار سے بھی حضورؐ نے بارہا کام لیا کسی اہم بات کو ذہن نشین کرانے کے لیے تین تین بار اسے دہراتے۔ اسی طرح کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو تین مرتبہ اجازت طلب فرماتے[۵۶]

(۱۳) حضورؐ نے کارِ تعلیم کے لیے مختلف دائرے اور مختلف سطحیں مقرر فرمائیں۔

—— ایک دائرہ عمومی تعلیم کا تھا۔

—— دوسرا دائرہ خصوصی مجالس کا تھا جن کا مقصد معیاری علماء اور زائدین کو تیار کرنا تھا۔

—— تیسرا دائرہ خواتین کی تعلیم کا تھا جس کے لیے آپ نے ہفتے میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا اور جس کے لیے حضرت عائشہؓ کو مامور فرما کر لوگوں کو تلقین فرمائی کہ دین کا آدھا علم، یعنی نظامِ معاشرت اور خواتین کے متعلق معلومات، ان سے حاصل کرو۔

—— چوتھا دائرہ خاص خاص موقعوں پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم و تربیت دینے کا تھا

—— پانچواں دائرہ باہر سے حصولِ تعلیم کے لیے آنیوالے وفود کو تیار کرکے قبائل میں فروغِ تعلیم کے لیے واپس بھیجنے کا۔

(باقی)

---

[۵۲] ملاحظہ ہو آیت: ۱۶-۱ [۵۳] ملاحظہ ہو آیت: ۱۸-۱۰۳ [۵۴] حدیث بخاری و مسلم۔ باب قصہ حجۃ الوداع۔ روایت جابرؓ بن عبداللہ و عائشہؓ [۵۵] ملاحظہ ہو آیت: ۸۲-آتا ۴ [۵۶] حدیث مشکوۃ کتاب الاستیذان۔ روایت ابو سعید خدریؓ

تحریف فی القرآن

جناب ریاض الحسن صاحب نوری ایم اے

(۲)

[پہلی قسط کے لیے ملاحظہ ہو ترجمان نومبر ۷۱ء]

اب ہم سورۂ رحمٰن کی آیت ۱۰ کو لیتے ہیں جس کا ترجمہ بھی وہی کیا گیا ہے جو حٰمٓ السجدہ کی آیت ۱۰ کا ہے یعنی ذرائع رزق پر . . . . ذاتی ملکیت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اصل آیت یوں ہے:

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ . . . .

ترجمہ: اور اسی نے مخلوق کے لیے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ بیچ اس کے میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں خوشے والے۔ اور اناج ہے بھس والا اور رزق والا، تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے)

مذکورۂ بالا آیت میں "انام" کا ذکر ہے جس میں انسان، حیوان، نباتات غرض ہر چیز شامل ہے[1]۔ جہاں پھلوں

---

[1] امام طبری نے تفسیر میں انام کے معنی یوں بیان کیے ہیں:

عن ابن عباس: کل شیئ فیه الروح، عن مجاهد: خلق، عن قتادہ: خلق (یعنی تمام مخلوقات)۔ امام قرطبی فرماتے ہیں عن الضحاک: کل ما دبّ علی الارض، وهٰذا عام (ہر چیز جو زمین پر حرکت کرتی ہے یہ ان کے لیے عام ہے)

"لسان العرب" میں "الانام" کے معنی یوں شروع ہوتے ہیں:

الأنام: ما ظهر علی الارض من جمیع الخلق یعنی زمین پر جو بھی مخلوق ظاہر ہوئی ہے وہ تمام انام ہے۔ تاج العروس میں ہے کہ اس کے معنی خلق کے ہیں یا ہر وہ چیز جس پر نیند طاری ہوتی ہے۔ یا وہ تمام چیزیں جو زمین پر موجود ہیں (أو جمیع ما علی وجه الارض) من جمیع الخلق۔

کا ذکر ہے وہاں چوپایوں کے لیے بھُس کا بھی ذکر ہے۔ مذکورہ بالا تمام آیات میں اللہ تعالیٰ ہوا، روشنی، پانی، طعام وغیرہ بے شمار نعمتوں کا ذکر فرما رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ ناشکری کر رہا ہے۔ انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح طور پر پُورا نہیں کر رہا۔ انسان کا مقصدِ حیات اللہ کی عبادت ہے جیسا کہ اللہ نے خود ہی متعین کر دیا ہے۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ

ترجمہ: "نہیں پیدا کیے مَیں نے جن و انس مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔ مَیں ان سے (مخلوق کی) رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلایا کریں۔ اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا اور زور آور ہے" (الذاریات، ۵۵-۵۸)

غرض انسان، حیوان، نباتات سب کو وہی پالتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ نباتات حیوانات کے لیے آکسیجن مہیا کرتے ہیں۔ ناظرین غور فرمائیں کہ آیاتِ زیرِ بحث میں کہیں بھی ملکیت کا ذکر نہیں ہے اور نہ کہیں اس کی نفی پائی جاتی ہے۔ اب دونوں زیرِ بحث آیات کو سامنے رکھیے، "انام" میں انسان، جانور، نباتات سب شامل ہیں تو پھر سواءً للسائلین سے مساوات کا کیا یہ مطلب ہے کہ رزق کے ذرائع سب پر یکساں کھلے رہیں؟ کیا دنیا کا ہر جاندار بلا روک ٹوک ہر دوسرے جانور اور ہر نباتات کو اپنا لقمۂ تر بنا سکتا ہے؟ کیا انسان اور حیوان سب رزق میں برابر کے شریک ہیں؟ ایڈیٹر صاحب نے آگے چل کر یہ بھی لکھ دیا ہے کہ قرآن میں ہے کہ خدا کی اونٹنی خدا کی زمین میں (کھلے بندوں) چرے گی۔ گویا جانوروں کو انسانوں کی غذا کھانا کھانے کا پورا حق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ جس کھیت میں جس مویشی یا جانور کا دل چاہے وہ کھاتا پھرے۔ جو بھیڑیا چاہے جس کسان کی بکریاں یا مرغیاں کھا جائے۔ کسی کو حق نہیں کہ ٹوکے کیونکہ ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پس واضح ہُوا کہ "وضع للانام" کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سورج سے اتنے مناسب فاصلے پر رکھا ہے کہ یہاں پر زندگی نشوونما پا سکے۔ پھر اسی مناسبت سے اس کی محوری حرکت متعین کی ہے۔ یہ زمین شروع میں تقریباً تمام کی تمام ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں تمام عناصر ایسی خاص مقدار میں پیدا کیے جس سے یہاں زندگی نشوونما پائے، اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ممد ثابت ہو کر ان میں باہمی سلسلہ ہائے خوراک (FOOD CHAINS) قائم ہو جائیں اور ایک کا وجود دوسرے کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ بن جائے۔ پھر یہ بھی بندوبست کیا کہ ان میں سے کوئی جاندار تعداد میں اس قدر نہ

بڑھ جائے کہ دوسرے کو نیست و نابود کر کے رکھ دے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دائمی توازن کا نظام قائم کر دیا ہے۔ جب اس نیں ذراسی بھی گڑبڑ ہوتی ہے تو زمین کی نہ صرف اور مخلوق بلکہ انسان بھی چیخ اٹھتا ہے۔ ہمارے زمانے میں جو کبھی کبھی ٹڈی دل کے طوفان دیکھنے میں آتے ہیں وہ اسی توازن میں فرق کی بنا پر ہوتے ہیں۔ فرعون کے زمانے میں جراد اور مینڈکوں کا طوفان بھی اسی قبیل سے تھا جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ آج بھی ٹڈیوں کا طوفان انسان کی طاقت مدافعت سے زیادہ ہو کر عذاب بن سکتا ہے۔ ریلیں بند کر سکتا ہے ہوائی جہازوں کو گرا سکتا ہے[۱]۔ اگر ایڈیٹر صاحب کی بات مان لی جائے تو پھر ٹڈی دل کو مارنا گناہ قرار پاتا ہے۔ آخر وہ بھی تو انام میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کو ایسی فضا عنایت فرمائی جس میں آکسیجن وغیرہ کے ساتھ مناسب مقدار میں پانی بھی موجود رہتا ہے۔ یہ فضا (ATMOSPHERE) ایک چھلنی کا کام دیتی ہے جو سورج کی فائدہ مند شعاعوں کو ہم تک پہنچنے دیتی ہے اور نقصان دہ شعاعوں سے ہم کو محفوظ رکھتی ہے اور زمین کے ٹمپریچر اور آب و ہوا کے کنٹرول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو ہمارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ خود زمین کی سالانہ گردش میں بڑی مصلحتیں ہیں۔

چاند بھی ہمارے لیے مسخر ہے۔ وہ ہمارے سمندروں میں مدوجزر پیدا کرتا ہے اور دوسرے بہت سے فرائض انجام دے رہا ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ انسانوں کے جسم کی بعض تبدیلیاں چاند کے حساب کے مطابق ہوتی ہیں۔ مثلاً عورتوں کے خاص ایام بھی چاند ہی کے مہینوں کے مطابق آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نہ صرف قدیم اور بیسویں صدی کا انسان بلکہ حیوانات خاص کر پرندے اور مچھلیاں دن کو سورج اور رات کو چاند اور ستاروں کی مدد سے راستہ طے کرتے ہیں۔ اور زمین کے اس سرے سے دوسرے پہنچ جاتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مقاموں کو لوٹ بھی آتے ہیں[۲]۔

---

[۱] (دیکھیے صفحہ ۱۷۰) ANIMAL TRAVELLERS By IGOR AKIMUSHKIN
جب ریلوے لائن پر ٹڈیاں بہت زیادہ تعداد میں مر جاتی ہیں تو وہ اتنی پھسلنی ہو جاتی ہے کہ ریل کے پہیے گھومتے ہیں لیکن ریل چل نہیں پاتی۔ ایک مرتبہ ایک پانی کا جہاز مسلسل ۲۵ گھنٹے ٹڈیوں کے تیرتے ہوئے مردہ جھنگلے میں چلتا رہا۔ ایک مرتبہ بحر قلزم میں اتنی ٹڈیاں آئیں کہ اگر ان کو تولا جاتا تو چار کروڑ ٹن ہوتیں۔ یاد رہے کہ ایک ٹن ۲۲۴۰ پونڈ کا ہوتا ہے (صفحہ ۱۷۱) اللہ تعالیٰ ہی ان ٹڈیوں کو حد سے بڑھنے سے روکے رکھتا ہے۔ یہ اسی کا نظام قدرت ہے۔

[۲] روسی سائنسدان DAVID SOBOLEV لکھتا ہے کہ فلکیات کی بعض شاخوں کا علم جدید جہاز رانی

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر قربان جائیے کہ اس نے اس زمین کو ایسے بچھایا ہے کہ ایک ہی علاقے میں مختلف حیوانات، کیڑے مکوڑے، حشرات سب اپنا اپنا رزق حاصل کرتے ہیں[1] اور زبانِ حال سے اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ نہ صرف مختلف حیوانات بلکہ دس یا بیس قسم کے مختلف نوع کے پرندے ایک ہی چھوٹے سے قطعہ میں آرام سے رہ سکتے ہیں کیونکہ ان کی خوراک و دیگر ضروریات اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے سے مختلف رکھی ہیں[1]

جب انسان اس نظام میں بغیر سوچے سمجھے ناقص علم کی بنا پر دخل اندازی کرتا ہے تو نقصان اٹھاتا ہے۔ مثلاً چین میں فصلوں کو چڑیوں سے بچانے کے لیے یہ مہم چلائی گئی کہ سب چڑیاں ختم کر دی جائیں۔ آخر سرکاری حکم پر ساری قوم سب کام چھوڑ کر چڑیوں پر پل پڑی اور ان کو ختم کر کے دم لیا مگر ہوا یہ کہ وہ کیڑے جن کو چڑیاں کھا جایا کرتی تھیں انہوں نے فصل برباد کر ڈالی اور چین کو قحط سے دوچار ہونا پڑا۔ آخر اس طریقۂ کار کو ختم کر دیا گیا۔ ایسی حماقت یورپ میں بھی ہوتی رہی ہے۔ ڈی۔ڈی۔ٹی سے کیڑے مارے جاتے رہے لیکن نتیجہ خراب نکلا۔ آخر ڈی۔ڈی۔ٹی کو بہت سے ملکوں نے جن میں جرمنی بھی شامل ہے خلافِ قانون قرار دے دیا۔[2]

ہو کے لیے لابد ہے۔ ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کرنے کا علم ہمارے زمانے میں بہت ہی اہمیت کا حامل ہے" صفحہ ۱۶۴ "THE NINE COLOURS OF RAINBOW" مطبوعہ میر پبلیشرز ماسکو۔ پاکستان ٹائمز مورخہ ۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء کے مطابق شہد کی مکھی اور دوسرے اڑنے والے کیڑوں کے اجسام میں اپنی قسم کی قدرتی مقناطیسی قطب نما ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ راستہ معلوم کرتے ہیں غرض اس میں بھی انسان کیڑوں سے آگے نہیں ہے۔ ارحم الراحمین نے اوپر اجرام فلکی اور نیچے زمین میں اپنی مخلوق کو راستہ دکھانے کے لیے مقناطیس رکھ دیا۔

[1] وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم یعنی کتنے بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی (العنکبوت - ۶۰)

[1] P.129 "THE BIRDS by ROGERTORY PETRSON AND THE LIFE EDITORS

[2] اس موضوع پر عام فہم اور مستند کتاب درج ذیل ہے:

SILENT SPRING BY RACHEL CARSON

اس میں سائنس دانوں کی ایسی کثیر حماقتوں کا ذکر ہے جو ناقص علم کی وجہ سے انہوں نے کر ڈالیں۔ سوویٹ روس کے ماہر اقتصادیات KOSTANTIN MALIN نے خوراک کے ذرائع کا مفصل حساب کتاب کر کے ثابت کیا ہے کہ اس زمین پر آسانی سے تین لاکھ ملین آبادی کے لیے خوراک پیدا کی جا سکتی ہے۔ موجودہ آبادی صرف تین ہزار ملین ہے

غرض آیت زیر بحث میں انسان کو اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ وہ کارخانۂ قدرت میں تمام پہلوؤں پر غور کیے بغیر جلد بازی کر کے ناقص علم کی بنا پر دخل اندازی نہ کرے۔ یہ زمین تمام مخلوقات کے واسطے ایسے طریق پر بنائی گئی ہے کہ وہ مخلوقات انسان کی ممد بن کر رہیں۔

KARL GROSSWALD لکھتا ہے:

"جنگلات کی سرخ چیونٹیاں نقصان دہ کیڑوں کے خلاف ہماری معاون ہیں۔ چیونٹیوں کی ایک آبادی کی ڈھیری ایک دن میں ایک لاکھ نقصان دہ کیڑے مار کر سٹور کر لیتی ہے۔ یہ چیونٹیاں پیداوار کے لیے زمین کو بہتر بنانے اور بیجوں کو پھیلانے کے سلسلے میں اہم کام سرانجام دیتی ہیں۔ ...... ان کے سودمند ہونے کی وجہ سے جنگل کی چیونٹیوں کی حفاظت کے لیے قانون بنائے جا چکے ہیں۔ پچھلے پندرہ سال سے یہ قوانین نافذ ہیں۔ جرمنی میں ان کو ہلاک کرنے کی سزا پندرہ دن قید یا ۵۰ مارک جرمانہ ہے۔[1]"

غرض روسی ماہرین نے MALTHUS کے نظریات کو غلط ثابت کر دیا ہے اور یہ بات سائنسی دلائل سے واضح ہو چکی ہے کہ انسانوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے روسی سائنس دانوں کے حوالے دیئے ہیں جن کو کوئی بھی مولوی کی بات کہہ کر رد نہیں کر سکتا۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے:- BORIS LYAPUNOV کی کتاب MAN AND HIS ENVIRONMENT صفحات ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۱، ۷۴، ۷۷، ۷۸، ۱۱۳، ۱۱۴۔ یہ کتاب ۱۹۶۶ء میں ماسکو سے پروگریس پبلشرز نے چھاپی ہے۔ اس میں بعض مقامات پر امریکی ماہرین کے اعداد و شمار بھی بیان کیے گئے ہیں۔ سمندروں سے بہت مقدار میں خوراک حاصل کی جا سکتی ہے جس کا اب تک کچھ اندازہ ہی نہ تھا۔ مزید سمندروں کی تہ میں بھی کاشت ہو سکتی ہے۔ — ما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔

[1] مسند احمد میں مختلف طرق سے ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے چار چیزوں یعنی چیونٹیوں، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد نامی پرندہ (جس کو عرب منحوس خیال کرتے تھے) جو شکاری ہے، ان کے قتل سے منع فرمایا (۳۳۲، ۳۴۷ مسند جلد اول) ایک مرتبہ حضورؐ نے کسی صحابی کو سفر میں چیونٹیوں کے گھر کے پاس آگ جلاتے دیکھا تو فوراً آگ بجھانے کا حکم دیا قال اطفھا اطفھا (مسند احمد صفحہ ۳۹۶ جلد اول، ابوداؤد وغیرہ وغیرہ) بخاری، مسلم، ابن ماجہ میں بھی یہ واقعات روایت ہوئے ہیں۔ اس سے منکرینِ حدیث کا جھوٹ ثابت ہو کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی غیر متلو وحی آتی تھی۔ چیونٹیوں کی حفاظت کا قانون جو یورپ میں صدیوں کی تحقیق کے بعد آج بنایا گیا ہے۔ وہ قانون وحی الٰہی کے حکم سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی چودہ سو سال پہلے بنا کر فارغ ہو چکے تھے۔ اب اگر جاہل لوگ اسلام کو دقیانوسی مذہب

انسان زمین میں کاشت کرتا ہے تو اس سے زمین کی طاقت کم ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح جنگلوں وغیرہ میں جو نباتات پیدا ہوتی ہے اس کا بھی یہی اثر ہوتا ہے ۔ زمین کی طاقت بحال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیچوے (EARTHWORM) کو زمین میں چھوڑ رکھا ہے ۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان اس زمین پر زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکتا ۔ مزید یہ کہ (ALGAE) بحری نباتات یعنی PHYTOPLANKTON ایک خوردبینی (MICROSCOPICAL) ہے ۔ یہ ہماری زمین کی آکسیجن کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ سمندری نباتات و حیوانات کے درمیان خوراک کے سلسلوں اور کڑیوں (FOOD CHAINS) میں یہ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے DR. JACQUES PICARD جو دنیا کے مشہور ماہر اوقیانوسات (بحریات) ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر انسان نے سمندروں میں تیل اور دیگر صنعتی ردی (مثلاً ایٹمی ردی وغیرہ) ڈالنا بند نہ کیا تو مذکورہ بحری نباتات مر جائے گی اور پھر انسان دم گھٹ کر اس کرۂ ارض سے نیست و نابود ہو جائے گا ۔ انھوں نے کہا کہ ایسا ہونا آئندہ تیس تا پچاس سال میں ممکن ہے ۔ اگر انسان نے اپنی غلطیاں اسی طرح جاری رکھیں اور اس زمین کو اسی طرح گندا (POLLUTE) کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے اور تاکہ کسی کے دل میں کبریائی یا غرور جگہ نہ پا سکے[2] ایک

کیتے پھریں تو ان اندھوں کا کوئی علاج نہیں ۔ سمجھنے والوں کے لیے تو یہی ایک مثال کافی ہے ۔ یاد رہے کہ ہدہد کا عمل بھی چیونٹیوں کے مثل ہے ۔ بلکہ شاید اس کو چیونٹیوں پر یوں فوقیت حاصل ہے کہ یہ اپنی لمبی چونچ سے مٹی کھود کر زمین کے اندر کے کیڑے بھی نکال کر کھا جاتا ہے اور بڑے بڑے کیڑوں کو بھی اکیلا کھا جاتا ہے چیونٹیاں تو دوسری چیزوں پر بھی گذارہ کر لیتی ہیں اگر کیڑے نہ ملیں ۔ مگر ہدہد کا گذارہ ہی کیڑوں پر ہے ۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ توریت کی رو سے بھی ہدہد کو مارنا کھانا حرام ہے ۔ گویا یہ قانون اسلام میں ہزاروں سال سے چلا آرہا ہے اور سائنس آج اس کی وجہ جان سکی ۔

[1] دیکھیے پاکستان ٹائمز مورخہ ۱۷ جون ۱۹۷۱ء ، سمندر پر انسانی زندگی کس طرح منحصر ہے اس کے لیے دیکھیے مندرجہ ذیل کتاب ۔ THE SEA FRIEND OR FOE BY N. GORSKY

[2] جدید دور کا سب سے بڑا مشہور ترین ماہر نفسیات جو حیات ہے یعنی C. G. JUNG لکھتا ہے :

"جانوروں کے ... متعلق جو تحقیقات جدید دور میں کی گئی ہیں مثلاً حشرات الارض سے متعلق تحقیقات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ انسان اگر وہی طریقے استعمال کرے جو کیڑے مکوڑے کرتے ہیں تو اس کی ذہانت اس سے کہیں زیادہ ہوگی جس درجے میں کہ اس وقت جدید انسان کی ذہانت کام کر رہی ہے"

("MODERN MAN IN SEARCH OF SOUL" P 214

عجیب بات یہ رکھی ہے کہ اس زمین پر ادنیٰ چیز اعلیٰ کی محتاج نہیں بلکہ اعلیٰ ادنیٰ کی محتاج ہے۔ جمادات نباتات کے محتاج نہیں، نباتات جمادات کی محتاج ہیں۔ اسی طرح نباتات حیوانات کی محتاج نہیں۔ بلکہ حیوانات ان کے محتاج ہیں۔ البتہ حیوانات کے پیدا ہونے کے بعد نباتات کو مزید فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں[1]۔ پھر غور فرمایئے کہ حیوانات اپنے سے ادنیٰ نباتات اور جمادات دونوں کے دست نگر ہیں۔ اور انسان جمادات، نباتات اور حیوانات تینوں کا بے حد محتاج ہے۔ ان کے بغیر انسان کا جینا ناممکن ہے۔ صرف اگر مختلف سلسلہ ہائے خوراک (FOOD CHAINS) پر ہی غور کیا جائے تو انسان اپنی مجبوری اور بے بسی پر ششدر ہو کر رہ جاتا ہے اور وہ بے اختیار مائل بہ سجدہ ہو جاتا ہے جن کو خدا کے نام سے چڑ ہے وہ قدرت یا نیچر کا لفظ استعمال کر کے اپنی بے بسی کا اظہار کر کے نیچریہ کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن بیسویں صدی کا مشہور سائنسدان وہائٹ ہیڈ جو آئنسٹائن کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے لکھتا ہے:

"عبادت حق کی پکار کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ عبادت کے جذبے کو آپس کی محبت (انسان اور خدا کی) حرکت اور قوت بخشتی ہے۔ خدا کی طاقت اس بات میں ہے کہ وہ پرستش کا داعیہ اور جذبہ پیدا کرتا ہے۔"

آئنسٹائن لکھتا ہے:

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائنس نہ صرف مذہبی جذبے کو جلا بخشتی ہے بلکہ زندگی کو مذہبی روحانیت کے نظریہ سے سمجھنے میں مدد بھی کرتی ہے۔"

ہم نے وضعھا للانام کی تفسیر ذرا سی تفصیل کے ساتھ کی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ 'مساوات' کے ایڈیٹر نے اس کو نہ قرآن وحدیث کی روشنی میں نہ جدید علوم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی بلکہ بالشویکوں کی ذہنی غلامی اور سائنسی شہادت سے انکار والی عادت کی پوری پیروی کی ہے اور سائنس اور علم دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ (باقی)

---

[1] یوں تو نباتات میں لقاح دبموجب قول باری تعالیٰ وارسلنا الریاح لواقح۔ یعنی ہم نے حاملہ کرنے والی ہوائیں بھیجیں) اکثر طور پر ہواؤں کے چلنے سے ہوتا ہے۔ مگر کسی قدر لقاح (یعنی نر پھولوں سے POLLEN کا مادہ پھول میں جانا) اڑنے والے کیڑوں مکوڑوں کے ذریعے ہوتا ہے جب کہ وہ ایک پھول سے اڑ کر دوسرے پھول پر جاتے ہیں تو ان کے جسموں سے چمٹ کر نر پھولوں کے POLLEN بھی مادہ پھولوں میں پہنچ جاتے ہیں۔

عالمِ اسلام

لیبیا میں اسلام کا روشن مستقبل

(جناب خلیل حامدی صاحب)

لیبیا کے صدر کرنل قذافی نے پاکستان کی تائید و حمایت اور بھارت کی جارحیت کے خلاف جو بھرپور آواز بلند کی ہے اُس نے پاکستانی عوام کے دلوں پر بے حد اثر کیا ہے۔ موصوف اس سے پہلے فلپائن کے مظلوم مسلمانوں کی دادرسی کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں وہ دنیا بھر کے مسلمانوں سے عام طور پر اور جنوب ایشیا کے مسلمانوں سے خاص طور پر غیر معمولی دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ مخلص دوست کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ پریشاں حالی اور درماندگی میں کام آئے۔ راقم کو حالیہ جنگ سے کچھ عرصہ پیشتر لیبیا جانے کا موقع ملا ہے اور لیبیا کے بعض سرکاری اور عوامی پہلوؤں کو مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ لیبیا کی حکومت اور لیبی عوام دونوں پاکستان کے حق میں نہایت محبت آمیز اور والہانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اِن جذبات کی تہ میں دو بڑے عوامل کارفرما ہیں۔ ایک لیبی قوم کی دینداری اور اسلام سے گہری وابستگی جو اُسے تاریخی ورثے میں ملی ہے۔ اور دوسرے اُن پاکستانیوں کا حُسنِ کردار جو چند سال پیشتر وہاں ملازمت کے لیے گئے ہیں اور انہوں نے اپنے اچھے اخلاق، احساسِ ذمہ داری اور محنت و جانفشانی کے قابلِ قدر نمونے قائم کیے ہیں۔ اس امر کا اعتراف خود لیبیا کے متعدد دوستوں نے ہم سے کیا ہے۔ بہرحال یہ امر وجہ اطمینان اور باعثِ مسرت ہے کہ لیبیا سرکاری اور عوامی سطح پر پاکستان کا مخلص بھائی، سچا دوست اور جری مؤید ہے۔

لیبیا کا معاشرہ موجودہ مسلمان معاشروں میں سے ایک اچھا معاشرہ ہے۔ اور اس کی اچھائی کی قدر و قیمت نگاہ میں اس امر سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ اس کے عین جوار میں دو ایسے معاشرے موجود ہیں جن میں فساد، اباحیت اور اخلاق باختگی خوفناک حد تک پھیل چکی ہے۔ ایک مصری معاشرہ اور دوسرا تونسی معاشرہ۔ اور یہ بات معجزے سے کم نہیں کہ ان دونوں معاشروں کے اندر گھرا ہوا لیبی معاشرہ اپنے اندر (بقیہ)

ہمت اور رجحان رکھتا رہا ہے کہ پڑوسی معاشروں کی مسموم فضا سے بہت بڑی حد تک متاثر نہیں ہوا حالانکہ زبان، ثقافت اور تاریخ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان تینوں معاشروں میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ لیبی معاشرے کو یہ منفرد حیثیت اور امتیازی خصوصیت بخشنے والے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے بڑا اور کارگر سبب یہ ہے کہ وہاں سنوسی تحریک نے مدتِ دراز تک دعوت و جہاد کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ چنانچہ اس تحریک نے لیبیا کے باشندوں کے اندر اسلامی روح اور اسلامی اقدار کو غیر معمولی فروغ دیا۔ ان کے اندر دین سے لگن پیدا کی، سہل انگاری اور کم کوشی کے بجائے جفاکشی کو جنم دیا، استکبار کے بجائے درویش منشی کو اجاگر کیا، عزت و آبرو کی زندگی سے بہرہ مند ہونے کی خاطر جاں سپاری کا ذوق ابھارا اور فکر و نظر کے اندر محدود و علاقائی تصورات کی جگہ آفاقی انداز اور اسلامی اخوت کو سمویا۔ چنانچہ عوامی زندگی پر اس تحریک کا چڑھایا ہوا رنگ اس قدر گہرا تھا کہ اس کے نشانات آج تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لیبی مسلمان آج بھی نہ عرب قومیت کے نعرے پر کان دھرتا ہے اور نہ افریقی عصبیت کے واویلے کو اہمیت دیتا ہے۔

سنوسی تحریک کے بانی محمد بن علی سنوسی (پیدائش ۱۷۸۷ء، وفات ۱۸۵۹ء) ہیں جو سنوسی اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اس تحریک کی بنیاد رکھی اور ایک طرف اُسے اصلاح و تربیت اور تعلیم و ارشاد کا ذریعہ بنایا اور دوسری طرف اس کے اندر جہاد اور عسکریت کی روح پھونکی اور جب فرانسیسی سامراج نے شمالی افریقہ میں قدم رکھنے شروع کیے تو اُس کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد مہدی سنوسی (پیدائش ۱۸۴۴ء، وفات ۱۹۰۲ء) نے مسند خلافت سنبھالی اور تحریک کو مزید آگے بڑھایا اور اُس کے تحت باقاعدہ ایک ریاست قائم کر لی اور اس کے اصلاحی پہلو کو بھی نمایاں ترقی دی۔ سنوسی اعظم کے عہد میں سنوسی زاویوں کی تعداد ۲۲ تھی جو محمد مہدی کے زمانے ۱۴۶ تک ہو گئی۔ محمد مہدی کی وفات کے وقت اُن کے صاحبزادے محمد ادریس سنوسی (پیدائش ۱۸۹۰ء) کی عمر کم تھی۔ لہٰذا محمد مہدی نے خلافت اپنے بھتیجے احمد شریف سنوسی (پیدائش ۱۸۷۵ء۔ وفات ۱۹۳۳ء) کو اس شرط پر دی کہ جب ان کا صاحبزادہ محمد ادریس سنوسی سنِ رُشد کو پوری طرح پہنچ جائے گا اور زیورِ علم اور غازۂ تربیت سے آراستہ ہو جائے گا تو مسندِ خلافت اُسے سونپ دی جائے گی۔ احمد شریف سنوسی نے اطالوی سامراج کے خلاف غیر معمولی جہاد کیا۔ اس کے مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے امیر شکیب ارسلان کی کتاب حاضر العالم الاسلامی کا مطالعہ کیجیے۔ اس جہاد میں محمد ادریس سنوسی

بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ شریک رہے۔ احمد شریف کی وفات کے بعد زمامِ کار محمد ادریس کے ہاتھ میں آگئی۔ محمد ادریس کا ابتدائی عہد تو بلاشبہ سنوسی تحریک کی رُوح سے پُوری طرح لبریز رہا مگر بعد میں ان میں اقتدار کی شان و شوکت آگئی۔ اور دسمبر ۱۹۵۱ء سے تو انہوں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور یُوں تحریک دعوت و جہاد بادشاہت میں تبدیل ہو گئی اور پھر لیبیا کے اندر پٹرول کی دریافت نے بادشاہی نظام میں عیش و عشرت کی رنگ آمیزی کر دی۔ یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو محمد ادریس کی بادشاہت کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور فوجی حکومت برسرِ اقتدار آگئی جس کے موجودہ صدر کرنل قذافی ہیں۔

سنوسیوں کے علاوہ لیبیا کے اندر اور بھی مجاہدینِ اسلام کا گروہِ کثیر گزرا ہے جس نے مردانگی اور سرافگندگی کے حیرت انگیز جوہر دکھائے ہیں۔ ان میں عمر المختار سرِ فہرست ہے۔ اِس بوڑھے مجاہد کو اطالوی سفاکوں نے پھانسی کی سزا دی تھی۔ طرابلس کے قدیم قصر کی آغوش میں "شہداء چوک" (میدان الشہداء) آج بھی اہلِ وطن کو ماضی قریب کی یہ حکایت سُنا رہا ہے کہ یہاں ۱۴ مسلمان مجاہدوں کو اٹلی کے سامراجیوں نے ایک ہی وقت میں پھانسی پر لٹکایا تھا۔ لیبی قوم کو اپنے بزرگوں کی جانفشانیاں اب بھی یاد ہیں۔ ایک لیبی دوست نے ہمیں باتوں باتوں میں یہ کہا کہ "ہمارے ہاں یہ تصوّرِ عام ہے کہ لیبیا کی سرزمین میں شہدائے اسلام کا خون اتنی وافر مقدار میں موجود ہے کہ اِس زمین میں ابھی تک اُس کی گرمی موجود ہے۔ اور اس کی بدولت یہاں کسی حکمران کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس خون سے غداری کا رویہ اختیار کرے۔"

موجودہ انقلابی حکومت نے بعض قابلِ ستائش اصلاحات کی ہیں۔ اِن اصلاحات کو اُس کے مخالفین بھی سراہ رہے ہیں۔ مثلاً شراب پُورے ملک میں ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو طرابلس میں ایک اسلامی مکتبے کے مالک ہیں بتایا کہ لیبیا کے اندر گزشتہ حکومت کے عہد میں متعدد شراب خانے قائم تھے۔ اور اس امر کا شدید خطرہ پیدا ہو چکا تھا کہ نژادِ نو اُمّ الخبائث کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اور روایاتی معاشرے کی چولیں ہل جائیں گی۔ موجودہ حکومت نے شراب پر پُوری پابندی عائد کر دی ہے۔ اور اب پُورے ملک میں کسی جگہ بھی آپ دخترِ رز کا نشان نہیں پائیں گے۔ مے فروشی اور میخواری دونوں جرم قابلِ دست اندازیِ پولیس قرار دے چکے ہیں۔ حکومت کے اس اقدام پر ہم نے بالعموم لوگوں کو خوش و خُرّم پایا۔ انقلابی حکومت کا دوسرا بڑا دُور رس اقدام عربی زبان کا احیاء ہے۔ حکومت نے عربی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے لازم قرار دے دیا ہے۔ نہ صرف سرکاری اداروں کا پُورا کاروبار عربی زبان میں سرانجام دیا جا رہا ہے بلکہ پُورے

معاشرے پر عربی زبان کو برتری عطا کر دی گئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ اہتمام بطورِ خاص کیا جا رہا ہے کہ فصیح عربی کو رائج کیا جائے اور اجنبی الفاظ جو جُوں کے تُوں عربی میں داخل ہو گئے تھے اُن کو چھانٹ کر کے پاکیزہ اور اصل الفاظ کو استعمال کیا جائے۔ لیبیا کے وزیرِ اطلاعات جناب بوبصیر صاحب نے ہمیں بتایا کہ کرنل قذافی فصیح الفاظ کے استعمال میں اس حد تک شدت برتتے ہیں کہ اگر ہم اُن کے سامنے ریڈیو کو راڈیو کہیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم ریڈیو کو فصیح انداز میں الاذاعۃ المسموعۃ کہتے ہیں اور ٹیلی ویژن کو مصریوں کی طرح تلفزیون کہنے کے بجائے الاذاعۃ المرئیۃ کہتے ہیں۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو دنیائے عرب کی علمی اور ادبی اکیڈمیوں نے وضع کی ہیں۔ ہم جب طرابلس یا بنغازی کی سڑکوں سے گزرتے تھے تو دکانوں اور اداروں کے بورڈ پڑھ کر بھی احساس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فصیح اور پاکیزہ عربی زبان کے زندہ کرنے کا اہتمام فرما دیا ہے۔ ایک سرکاری ذریعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کرنل قذافی نے اسلامی قانون رائج کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اور اس امر پر کافی غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ متعدد احباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب سرکاری سطح پر یہ بھی سوچا جا رہا ہے کہ بنکوں کا نظام غیر سُودی بنیادوں پر قائم کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ان تمام امکانات کا عنقریب جائزہ لیا جائے گا جو اس خیال کو حقیقت میں ڈھال سکتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت نے کلیسا ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کلیسا اطالوی دور میں بلاضرورت تعمیر کیے گئے تھے اور ان کو عبادت کے بجائے دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر و بیشتر عمارتیں خالی پڑی ہیں۔ اب ان کے اندر ثقافتی مرکز قائم کیے جائیں گے۔ طرابلس کے ایک کلیسا کی عمارت میں ہم نے دیکھا کہ وہاں اب مؤتمر دعوتِ اسلامیہ کا دفتر قائم کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت نے یہ اقدام سوچ سمجھ کر کیا ہو گا۔ اور اس کے نتائج کی پوری ذمہ داری اٹھانے کے لیے وہ تیار ہو گی۔ اسی طرح ہمارے وہاں پہنچنے کے صرف ۱۵ روز قبل حکومت نے ایک امریکی اسپتال کو جو غالباً مشنری ادارے کے تحت چل رہا تھا اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور مشنری ادارے کو اس تکلیف کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔ یہ بات تو اب پرانی ہو چکی ہے کہ انقلابی حکومت نے ہوئیلس کے امریکی اڈے کو ختم کر دیا ہے اور اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اس اڈے کا نام عقبہ بن نافع فاتح افریقیہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ طرابلس کے بڑے بڑے بازاروں میں مصرف الامۃ (نیشنل بنک)، کا جو بورڈ نظر آتا ہے یہ کچھ عرصہ پیشتر اٹلی کا بنک تھا۔ حکومت نے غیر ملکی بنک کو ملکی بنا دیا ہے۔ اسی طرح مصرف الوحدۃ (وحدت بنک) بھی بنک آف انگلینڈ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ یُوں انقلابی حکومت نے جن اداروں کو سرکاری

تحویل میں لیا ہے ان میں غیر ملکی بنک بھی شامل ہیں۔

کچھ اور چیزیں بھی سرکاری انتظام میں لے لی گئی ہیں۔ مثلاً مواصلات۔ چنانچہ شہر کے اندر پرائیویٹ ٹیکسیوں کے ساتھ سرکاری ٹیکسیاں بھی چل رہی ہیں جن کا کرایہ بہت کم ہے بعض عام استعمال کی اشیاء کو بھی سرکاری انتظام میں لینے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ مثلاً آٹے کی سپلائی۔ مگر ہمیں لیبی دوستوں نے بتایا کہ یہ تجربہ کامیاب نہیں رہا۔ انشورنس کمپنیاں بھی اب سرکاری انتظام میں چل رہی ہیں۔ پٹرول کی آمدنی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا ۵۱ فیصد حصہ عوامی فلاح و بہبود کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور ۴۹ فیصد حصہ سرکاری مصارف کے لیے۔ بازاروں میں چل پھر کر ہمیں اندازہ ہوا کہ سعودی عرب، کویت اور تیل کے دوسرے ملکوں میں اشیاء کی جو قیمتیں ہیں ان کی نسبت یہاں کی قیمتیں زیادہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے یہ قیمتیں زیادہ نہیں تھیں۔ اب کسٹم ڈیوٹی اور ٹیکس کے نئے ضابطوں نے قیمتوں پر اثر ڈالا ہے۔

ہمیں لیبیا کے دارالحکومت طرابلس (لیبیا کے شہر طرابلس کو طرابلس الغرب کہا جاتا ہے اور لبنان کے طرابلس کو طرابلس الشام)، اور لیبیا کے دوسرے بڑے شہر بنغازی میں چند روز گزارنے کا موقع ملا ہے۔ عام آدمیوں کو بھی جی بھر کر دیکھا اور سرکاری آدمیوں سے ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ بار بار ہماری زبانوں پر یہ فقرہ آتا تھا کہ لیبیا کے لوگ بڑے بھلے مانس اور شریف ہیں۔ ان میں کبر و غرور نہیں ہے۔ نمائش اور ریا کا جذبہ بہت کم ہے جس نے سعودی عرب اور کویت دیکھا ہو وہ لیبیا کو دیکھ کر فوراً یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ لیبیا اس لحاظ سے ان دونوں سے مختلف ہے کہ لباس کا ٹھاٹھ اور بڑی بڑی موٹروں کی چکا چوند لیبیا میں نہیں ملتی۔ راقم کے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہاں کے عوام کی فطری سادگی اور طبعی اعتدال ہے اور انہوں نے اپنے ماضی کو فراموش نہیں کیا ہے۔

طرابلس لیبیا کا معیاری شہر کہا جا سکتا ہے۔ وہاں بازاروں میں آپ کو بکثرت ایسی نوجوان دوشیزائیں نظر آئیں گی جنہوں نے پرانی طرز کی سفید چادر اوڑھ رکھی ہو گی اور چہرہ مکمل ڈھانک رکھا ہو گا اور صرف ایک آنکھ کھول رکھی ہو گی۔ پردے کی یہ چادر یہاں کی انتہائی قدیم روایات کا ایک حصہ ہے اور ابھی تک یہاں کے مسلمانوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ ہم بار بار حیران رہ کر دوستوں سے پوچھتے تھے کہ مغربی تہذیب کی یلغار کے سامنے یہ چادر کیسے قائم رہ گئی اور کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ مگر ہمارے دوست بہلول نشنوس اور رجب طرنیش بڑی بے نیازی سے ہمیں یہ جواب دے دیتے کہ یہاں کی لڑکیاں اس چادر سے بیزار نہیں ہیں بلکہ

اس پر نازاں ہیں۔ ہمارا مشورہ یہ تھا کہ چادر کو برقع کی شکل دے دی جائے تاکہ راہِ اعتدال نکل آئے مگر وہ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ شادی کے بعد تو لڑکی چادر بڑے ذوق و شوق سے استعمال کرتی ہے۔ ہم نے ایسی عورتوں کو بھی دیکھا جو اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں اور بعض نے اسکرٹ پہن کر چہرے پر باریک نقاب ڈال رکھی تھی۔ ہم نے پوچھا کہ کیا یہ بھی لیبیا کے نمونے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر تو مصری یا تونسی ہیں اور کچھ لیبیا کی بھی ہیں۔

آج تک صرف سعودی عرب کے متعلق یہ مشہور رہا ہے کہ وہاں چوری نہیں ہوتی۔ سعودی قانون کی سختی اور انتظامیہ کی دیانتداری نے فی الواقع سعودی عرب میں چوری کو معدوم کر رکھا ہے۔ مگر لیبیا میں جاکر بھی ہمیں یہ انکشاف ہوا کہ یہاں بھی چوری بہت شاذ و نادر ہوتی ہے۔ لیبی ذوق جرائم سے خاصا نفور ہے۔ ہمیں ایک پاکستانی دوست نے بتایا کہ ۵ سال تک وہ گھر کو تالا لگائے بغیر جاتے رہے، اور ان کی موٹر بھی تالے کے بغیر باہر کھڑی رہتی تھی مگر اس دوران چوری کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیبیا کے لوگ اِس لحاظ سے اپنے اندر بڑا سکون محسوس کرتے ہیں کہ وہ چوری اور ڈاکے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر بڑا انعام ہے۔ ورنہ ان جرائم نے تو پوری دنیا کا سکون غارت کر رکھا ہے۔ البتہ لیبی دوستوں سے معلوم ہوا کہ اب ہمسایہ ممالک کی آمد و رفت عام ہونے کے بعد چوری کی وارداتیں بھی سننے میں آرہی ہیں۔ لیبیا کے وزیرِ اطلاعات کے بھائی جناب عوض بوبصیر نے تو ہمیں چوری کے متعدد تازہ واقعات سنائے اور بتایا کہ یہ وارداتیں کرنے والے ایک ہمسایہ ملک کے چھوکرے ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اب تک ہم نے امن و سکون کا جو دَور گزارا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اب لیبیا کے دروازے کھل جانے کے بعد وہ ہم سے چھن جائے گا۔ اس امر کا چرچا ہم نے بہت سُنا۔

لیبی معاشرے کے اندر جو خوبیاں نمایاں طور پر جھلکتی نظر آتی ہیں ان میں یہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ وہاں بد دیانتی اور سماج دشمنی اور ملاوٹ اور کھوٹ نے ابھی راہ نہیں پائی۔ کاروبار میں بہت بڑی حد تک نظافت اور خلوص کی عملداری ہے۔ بلکہ ہم تو اس نتیجے پر پہنچے کہ لیبی باشندہ تجارت کے بارے میں انتہائی شان بے نیازی رکھتا ہے۔ ہم طرابلس میں شارع ماموں الرشید پر ایک ہوٹل میں رہتے تھے۔ ہم دیکھتے کہ دکاندار مغرب سے پہلے ہی دکان بڑھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں اور صبح بھی اطمینان سے آکر دکان کھولتے ہیں۔ البتہ رمضان المبارک میں وہ افطاری کے بعد بھی آکر دکانیں کھول لیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو رمضان میں خریداری

کے لیے سہولت رہے۔ بہرحال یہ کہنا ہی پڑے گا کہ لیبیا میں دنیا پرستی کی دوڑ نہیں پائی جاتی۔ خال خال مثالیں اگر ملتی بھی ہیں تو النادر کالمعدوم۔

ایک اور دلچسپ بات سنیے۔ ہمیں بہلول نشنوش صاحب نے بتایا کہ یہاں یہ اصول ہے کہ اگر ایک شخص کی موٹر سے کسی دوسرے شخص کی موٹر کو اس کی عدم موجودگی میں کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ تو جس کے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے وہ دوسرے شخص کو اطلاع کر دے گا۔ اگر اُس نے موٹر پہچان لی تو وہ اُسے جاکر بالمشافہہ خبر دے گا اور یا تو معافی مانگ لے گا یا خسارہ ادا کرے گا اور اگر وہ اُسے پہچانتا نہیں ہے تو موٹر کے اندر اپنا نام اور پتہ لکھ کر ڈال دے گا تاکہ دوسرا شخص از خود اس سے رابطہ قائم کرلے اور نقصان کی تلافی کی کوئی شکل تجویز کرلے۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کوئی ورکشاپ والا اُس وقت کسی موٹر کی مرمت کی ذمّہ داری قبول نہیں کرتا جب تک موٹر والا اُسے پولیس کا اجازت نامہ نہ دے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ موٹر کو نقصان کسی تصادم کی وجہ سے پہنچا ہو اور وہ پولیس کی گرفت سے بچنے کے لیے قبل از وقت اپنی موٹر کو مرمت کروالینا چاہتا ہو۔ ایک مسلمان معاشرے کے اندر ایسے اصولوں کا پایا جانا ایک معمولی بات ہونا چاہیے۔ مگر عہدِ حاضر کے مسلمان معاشرے افسوس ہے کہ ان خوبیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

لیبیا کے مفتیٔ اعظم جناب طاہر احمد الزاوی سے ہماری تین چار مرتبہ ملاقات ہوئی۔ موصوف کافی معمر ہیں اور صاحبِ تصنیف ہیں۔ انہوں نے بڑی تواضع اور تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ اور جب بھی دارالافتاء میں ہم گئے انہوں نے بلاتاخیر ہمیں بُلالیا اور شفقت و محبت سے ہماری باتیں سُنیں۔ موصوف کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ وہ اُونچے پایہ کے عالمِ دین بھی ہیں اور اعلیٰ پیمانے کے جری بھی ہیں۔ لیبیا میں اُن کی بہترین اخلاقی ساکھ پائی جاتی ہے۔ ایک اور دینی شخصیت وہاں مؤثر حیثیت کی حامل ہے۔ یہ شیخ محمود صبحی ہیں۔ مؤتمر دعوتِ اسلامیہ کے سربراہ ہیں اور عوامی عدالت کے جج ہیں۔ یہ بھی انقلابی کونسل میں اور بالخصوص کرنل قذافی سے بہت قرب رکھتے ہیں۔ ایسے افراد کا سربراہِ مملکت کے قریب رہنا اچھے مستقبل کی ضمانت دے سکتا ہے۔ محمود صبحی صاحب نے ہم سے بہت تعاون کیا۔ اور آخری روز ہمیں الوداع کرنے کے لیے ہوٹل تشریف لائے اور افطاری کے لیے طرابلس کی کھجوروں اور انجیر کا تحفہ دے گئے۔

ہم نے رمضان المبارک کا آغاز طرابلس میں کیا۔ اتفاق سے ہم شعبان کے آخری روز مغرب کے وقت وزیرِ اطلاعات کے دفتر میں گئے۔ وہاں جاکر اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ لیبیا کے متعدد شہروں سے چاند ہوجانے

کی اطلاع مل چکی ہے۔ وزیر اطلاعات، جن سے ہماری پہلے سے غائبانہ شناسائی تھی، انہوں نے بڑی بے تکلفی سے ہمیں اپنے پاس بٹھا لیا اور خود دوسرے ملکوں کے ساتھ ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہو گئے تاکہ انہیں چاند ہو جانے کی اطلاع دے سکیں۔ ہماری موجودگی میں انہوں نے مصر کے مفتیٔ اعظم سے بات کی اور پھر امریکہ میں اپنے سفیر کو چاند کی اطلاع دی اور ان کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ فلپائن اور جاپان کے مسلمانوں اور انڈونیشیا اور ملائشیا کو بھی اس سے آگاہ کر دیں۔ انہوں نے بڑی دلچسپی اور شوق و ذوق سے یہ مہم سر کی۔ اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ لیبیا کے چاند پر انڈونیشیا اور ملائشیا کیونکر روزہ رکھ سکتا ہے۔ بلکہ لیبی حکومت کا رمضان المبارک کے ساتھ یہ انہماک اور اہتمام بلاشبہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کے بعد موصوف ہمیں دارالافتاء میں لے آئے۔ جہاں باقاعدہ مفتیٔ اعظم کی سرپرستی میں ایک محفل منعقد ہوئی۔ محفل میں عوامی اور سرکاری نمایندوں کے علاوہ مختلف مسلمان ملکوں کے سفراء بھی شریک ہوئے۔ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد مفتیٔ اعظم نے مختصر سی تقریر کی۔ اور اس کے بعد ثبوتِ ہلال اور افتتاحِ رمضان کا اعلان فرمایا۔ یہ تمام کارروائی ریڈیو سے نشر کی گئی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کرنل قذافی گو بیرونی نظریات کے مخالف ہیں اور اسلامی جذبات رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے آج تک جو اصلاحات کی ہیں ان کی تہ میں اسلامی جذبہ ہی کارفرما معلوم ہوتا ہے۔ مگر انہوں نے ملک کے اندر اپنی پارٹی کا نام "عرب سوشلسٹ یونین" رکھا ہوا ہے۔ اس پارٹی کا منشور دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ لیبیا جس سوشلزم کا علمبردار ہے وہ اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اور سوشلزم کا مقصد نظامِ عدل کا قیام ہے۔ اور اگر لیبیا کے اندر کسی گوشے میں طبقاتی تفاوت پایا جاتا ہو تو اُسے ختم کیا جائے گا۔ سیاسی طور پر بھی انقلابی حکومت نے صرف سوشلسٹ پارٹی کو ہی ملک کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت دی ہے۔ اور اس کے علاوہ وہاں کوئی اور پارٹی قائم نہیں ہے۔ شاید انقلابی حکومت آئندہ چل کر مزید ایسے اقدامات کرے جس سے اِس خلا کو بھی پُر کیا جا سکتا ہو۔ متعدد مقامی لوگوں سے ہمیں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سرکاری حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ لیبیا کے صدر جذباتی حد تک اسلام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ امید رکھتے ہیں کہ لیبیا میں اسلام کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ انہوں نے بعض پہلوؤں پر حکومت سے اختلاف کا اظہار بھی کیا مگر اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ملک کو صحیح اسلامی راستے پر ڈالنے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کریں گے۔

مطبُوعات

معارف التجوید مع رسم القرآن المجید | تالیف: قاری محمد حبیب اللہ صاحب۔ طابع وناشر: معہد القرآن کراچی،
صفحات ۲۸۰ قیمت ۵/- روپے۔ کتابت طباعت بہترین۔

علمِ تجوید کی تحصیل، قرآنِ پاک کی صحیح قراءت کے لیے ناگزیر ہے۔ مگر عام طور پر علمائے کرام اس علم کی طرف پُوری توجہ نہیں دیتے، اس کی ایک وجہ تجوید کی فنی باریکیاں بھی ہیں، جن کے لیے غیر معمولی محنت و ممارست درکار ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ علمِ تجوید کو سہل اور آسان بنا کر پیش کیا جائے تاکہ طلباء میں قراءتِ قرآنِ پاک کی مطلوبہ اہلیت پیدا ہو سکے۔

"معارف التجوید" میں استعاذہ و بسملہ کی قراءت کی صحیح صورتیں، اللسان اور مخارجِ حروف کی تفصیل اور القاب وصفاتِ حروف کا واضح اور جامع بیان ملتا ہے۔ نیز الف لام اور راء کی تفخیم و ترقیق کے اصول اور نُون و میم کے مشدد اور ساکن پڑھنے کے قواعد سلیس اردو میں لکھے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں مدات، ہمزہ، ہائے ضمیر اور ادغام وغیرہ کے احکام بھی عام فہم اسلوب میں سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ پوری کتاب سوال و جواب کے انداز میں ہے۔ آخر میں رسمِ قرآنِ مجید اور اوقاف کے بارے میں بھی ضروری ہدایات دی گئی ہیں جن کا علم عام خوانندگانِ قرآن کے علاوہ کلامِ الٰہی کی کتابت کرنے والے حضرات کے لیے بھی اشد ضروری ہے۔

بلاشبہ اردو میں علمِ تجوید کو پیش کرنے کی اب تک جتنی کوششیں کی گئی ہیں ان میں یہ کوشش کامیاب تر اور آسان تر ہے۔ اِس خدمتِ قرآنِ پاک کے لیے معارف التجوید کے مؤلف اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

پاکستان کے معاشی مسائل | مصنف:۔ یوسف حسین شیرازی، طابع و ناشر فیروز سنز پاکستان صفحات ۱۷۶ بڑا سائز، قیمت چھ روپے۔ کتابت و طباعت۔ شیرازی آفسٹ لمیٹڈ ایف/۳۶ ایس آئی ٹی ای، کراچی

کتاب کے مصنف ایوانِ صنعت و تجارت کراچی کے صدر ہیں جن کا پاکستان کے معاشی مسائل سے قریبی

تعلق ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں انہوں نے ملکی معیشت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری معیشت کے متعدد امراض کی حکیمانہ تشخیص کے ساتھ ساتھ ان کا ممکن اور مناسب علاج بھی تجویز کیا ہے۔ "پاکستان کے معاشی مسائل" پانچ بڑے ابواب میں تقسیم ہے: ہمارے سماجی اور اقتصادی مقاصد، مالیات، صنعت کاری، تجارت اور لیبر۔ شروع میں تجزیہ و تجاویز کے عنوان سے ایک فکر انگیز مضمون درج ہے جس میں تمام مباحث کا خلاصہ آگیا ہے۔

فاضل مصنف درآمد میں حقیقت پسندی، صنعتوں کے قیام میں منصوبہ بندی اور سرکاری شعبے میں لگی ہوئی ملک کی ستر فی صد سے زائد دولت کو ملک و ملت کے لیے زیادہ نفع بخش بنانے پر زور دیتے ہیں۔ سرکار کی غلط پالیسیاں، عائد شدہ ٹیکسوں کی عدم وصولی اور نئے ٹیکسوں کا نفاذ بھی معیشت کو متاثر کرتا ہے جس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ مزدوروں اور مالکان کے تعلقات بہتر بنانے، مزدور تنظیموں کو سیاسی اور دوسرے خارجی محرکات سے محفوظ رکھنے اور انہیں باہمی فرائض و حقوق سے ہم آہنگ کرنے کے لیے قیمتی مشورے بھی زیرِ تبصرہ کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے ملک کے دونوں بازوؤں میں پیدا شدہ غلط فہمیوں کا ــــ درست اعداد و شمار معلوم کر کے ــــ پوری طرح ازالہ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً مشرقی پاکستان کے ساتھ بے انصافی کے نعرے جو مبالغہ آمیز حد تک سنائی دیتے ہیں ان کی حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

چند اصولی باتیں البتہ ایسی ہیں جن کا بحیثیت ایک مسلم قوم۔ ہم سے اور ہماری معیشت سے خصوصی تعلق ہے مگر صاحبِ کتاب نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً بنکوں کا کردار بیان کرتے ہوئے بہت سی اصلاحات تجویز کی گئی ہیں۔ مگر سود کی لعنت سے اغماض برتا گیا ہے۔ درآمد کی بحث میں اس بات کی صاف صاف نشاندہی ضروری تھی کہ ہماری ترقی پذیر معیشت میں سامانِ تعیشات کی کوئی گنجائش نہیں جن میں سے ایک ٹیلیویژن بھی ہے۔ بددیانتی اور ذاتی مفاد ایک قومی روگ کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ تبصرہ نگار کی رائے میں پاکستان کے معاشی مسائل کی پیدائش میں مذکورہ عوامل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ؎

کچھ علاج ان کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟

صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین | زیرِ ادارت الاستاذ محمد عبدہٗ الفلاح الفیروز پوری۔ شائع کردہ ادارہ

علوم اثریہ لائل پور۔ صفحات ۲۰۶، قیمت ۵۰/۴ روپے۔

صحاح ستہ یعنی صحیحین، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کو علم دین میں نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ یہ وہ اصول کی کتابیں ہیں جن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات زندگی اور ارشادات کا مکمل اور مستند بیان ملتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ کتب صحاح کی موجودگی، اگر ایک طرف اہل حق کے لیے نعمت دین کے اتمام کا سبب ہے تو دوسری طرف دشمنان حق کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ۔ صحاح ستہ کے ہوتے ہوتے کوئی باطل پسند، سنت رسولؐ کی غلط تاویل نہیں کر سکتا۔

زیر تبصرہ کتاب میں مذکورہ اہمیت کی حامل چھ کتب اور ان کے مؤلفین رحمہم اللہ کا مختصر مگر علمی و تحقیقی تعارف کرایا گیا ہے۔ ابتداء میں ہر محدث کے مولد و مسکن، تحصیل علم اور فن حدیث میں اُن کے مرتبہ و مقام کا تذکرہ ہے۔ اور بعد ازاں اُن کی کتاب کے بارے میں قدرے مفصل معلومات دی گئی ہیں۔ کتاب کا سبب تصنیف، بیان کردہ روایات کی درجہ وار تفصیل اور جن روایات پر تنقید کی گئی ہے ان کا جائزہ ــــ مختلف محدثین کی آراء کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ آخر میں ہر کتاب کی امتیازی خصوصیات، اس کے رواۃ اور شروح کا ذکر کیا گیا ہے۔

صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، ایک ٹھوس علمی پیشکش ہے جو کتب صحاح اور ان کے مؤلفین کے بارے میں پیدا شدہ بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیتی ہے۔ ہم ہر اہل علم سے بالعموم اور علماء و طلباء حدیث سے بالخصوص اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

THIS RELIGION OF ISLAM	تالیف سید قطب شہیدؒ۔ شائع کردہ: انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف سٹوڈنٹ آرگنائزیشن پوسٹ بکس ۲۷۱ سٹیٹ کالج ۱۶۸۰۱ Pa.

یو۔ ایس۔ اے۔

انگریزی زبان کے اس چھوٹے سے رسالہ میں سید قطبؒ شہید نے دین اسلام کے بارے میں بعض بنیادی امور کی وضاحت کی ہے۔ اس میں اسلام کو ایک مکمل، بے نظیر اور آسان ترین نظام حیات ثابت کیا گیا ہے جس کا نفاذ سعی و کوشش کے بغیر ممکن نہیں۔ قانون اسلام کے بارے میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ چونکہ یہ خدا کا نازل کردہ قانون ہے اس لیے انسانی جدوجہد کے بغیر یہ محض معجزانہ طور پر معاشرہ میں نافذ ہو

جائے گا۔

زیرِ نظر کتابچہ میں اس امر کو بھی مدلل بیان کیا گیا ہے کہ قرونِ اُولیٰ کی طرح اسلام آج بھی حیاتِ انسانی کے تمام بگاڑ کو دور کرکے اس کے جملہ مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز مغربی دنیا ترقی کے جن ثمرات سے آج مالامال ہے یہ بھی دراصل اُسی انقلاب کے اثرات ہیں جو علمی دنیا میں اسلام لایا تھا۔ ہماری رائے میں یہ ایک نہایت مفید رسالہ ہے۔ اور جدید تعلیم سے بہرہ ور نوجوانوں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

پاکستانی ثقافت و وطنیت کے چند پہلو	تالیف: فضل احمد کریم فضلی۔ شائع کردہ: مکتبۂ ملی، پوسٹ بکس نمبر ۵۰۲۸، کراچی نمبر ۲۔ صفحات ۵۰۔ قیمت درج نہیں۔

اس کتابچے میں فاضل مصنف نے جو اس ملک کی جانی پہچانی علمی شخصیت ہیں، پاکستانی ثقافت و وطنیت کی روحانی اور دینی اساس پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ اس اساس کے علاوہ کوئی دوسری اساس ایسی نہیں جو پاکستانی وطنیت کو استحکام عطا کرسکے۔ آخر میں مصنف نے اُن عناصر کی بھی نشاندہی کی ہے جو پاکستان کی اس اساس کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

(بقیہ اشارات)

اور اُسے اپنانے ہی میں وہ اپنی اور پوری نوعِ بشری کی بھلائی پاتی ہے جس کی نظر میں سب سے مضبوط اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد سہارا صرف خدائے واحد کا سہارا ہے اور اس کے مقابلے میں باقی سہارے تارِ عنکبوت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ رب تعالیٰ یُوں تو کسی قوم کی نافرمانی کو دیر تک گوارا نہیں کرتا مگر وہ اس اُمت کی باغیانہ روش کو کبھی برداشت نہیں کرتا جو اس کے دین کے ساتھ فریب کاری کرے۔ نمک کو اسی وقت تک گھر میں محفوظ رکھا جاتا ہے جب تک اس کی نمکینی باقی رہے، مگر جب اُس کی نمکینی ختم ہو جائے تو اُسے بیکار اور فضول سی چیز سمجھ کر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ الزام تراشیوں اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا وقت نہیں بلکہ انابت الی اللہ کا وقت ہے، اس کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کا وقت ہے۔ اس کی رحمت کو جوش میں لانے کے لیے اس کے حضور میں جھک جانے کا وقت ہے۔ اپنی خامیوں کے اعتراف اور اسلام کے ساتھ سچی وابستگی پیدا کرنے کے معاملے میں تجدید عہد کا وقت ہے۔ ہماری یہ شکست و ہزیمت بلاشبہ ہماری قومی زندگی کا ایک عظیم سانحہ ہے لیکن اگر اس سانحہ سے ہماری آنکھیں کھل سکیں، ہم اس میں اپنے لیے سامانِ عبرت تلاش کر سکیں، ہم اپنے خالق اور مالک کو پھر سے راضی کرنے میں منہمک ہو جائیں اور دوسروں کی تائید حاصل کرنے کے بجائے تائیدِ الٰہی کے حصول کی فکر کرنے لگیں تو قادرِ مطلق جس کی قوت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی قوت پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھتی، ہمیں ذلت اور پستی کے مقام سے نکال کر رفعت اور سربلندی کے مقام پر فائز کر دیگا لیکن اگر خدانخواستہ ہم نے اب بھی عبرت نہ پکڑی تو ہمیں دنیا والوں کے لیے اسی طرح سامانِ عبرت بنا دیگا جس طرح کہ اُس نے پہلی نافرمان قوموں کو بنایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ذاتِ غفور و رحیم ہمیں عبرت حاصل کرنے والا بنائے اور ہمیں سامانِ عبرت نہ بنائے، کیونکہ یہ ایک دردناک عذاب ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ـــــ

تصحیح اغلاط

تفہیم القرآن جلد پنجم

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
الطّلاق	الطلاق	۱۹	۳
علم اور بصیرت	اور علم اور بصیرت	۶	۷۸
بڑی بُرائی	بڑی بڑائی	۱۰	۹۱
الذّٰریٰت	الذٰریٰت	۲	۱۲۹
کیا لوگ نہیں جانتے	کیا تم نہیں جانتے	۲۲	۱۳۸
لوگ مجھ سے جلدی	لوگ جلدی	۳	۱۵۷
الطّور	الطور	۲	۱۶۰
وہاں وہ ایک دوسرے سے	وہ ایک دوسرے سے	۳	۱۷۰
مرتّب کرکے	مرتب ہوکر	۲۳	۱۷۷
النّجم	النجم	۲	۱۸۷
الاعراف	المائدہ	۳	۲۰۲
الطّلاق	الطلاق	۲	۵۴۹
الطّلاق	الطلاق	۱	۵۵۰

خـــالی صفحـــه

ضروری اعلان

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن جلد پنجم کے علاوہ پہلی چاروں جلدیں بھی ہمارے درج ذیل ایجنٹ حضرات سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، شاہ عالم مارکٹ لاہور
۲۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ گوجر گلی، لاہور
۳۔ ادارہ بتول اچھرہ، لاہور
۴۔ مکتبہ الحسن اردو بازار، لاہور
۵۔ میسرز تاج کمپنی لمیٹڈ، بندر روڈ، کراچی
۶۔ نورسی پبلیکیشنز، لیاقت آباد، کراچی
۷۔ میسرز یونائیٹڈ بکسیلرز اینڈ سٹیشنرز اردو بازار کراچی
۸۔ شیخ سنز، اردو منزل، اردو بازار کراچی
۹۔ پنجاب نیوز ایجنسی، اردو بازار کراچی
۱۰۔ نشیر خان تاجر کتب، اوڈرام روڈ پاکستان چوک، کراچی
۱۱۔ مکتبہ تعمیر افکار اسلامی حکیم ابن سینا روڈ ناظم آباد کراچی
۱۲۔ مکتبہ چراغ راہ، یوسف منزل، ہرموس جی سٹریٹ کراچی
۱۳۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی
۱۴۔ مکتبہ اسلامی، کورٹ روڈ، حیدرآباد، سندھ
۱۵۔ مہران بکڈپو، نور محمد ہائی سکول بلڈنگ، حیدرآباد
۱۶۔ اتحاد بکڈپو، کورٹ روڈ، گاڑی کھاتہ، حیدرآباد
۱۷۔ رحمان نیوز ایجنسی، شارع فاطمہ جناح، کوئٹہ
۱۸۔ مکتبہ اسلامی معرفت دفتر جماعت اسلامی جیکب آباد
۱۹۔ محمد مصاحب علی صاحب امیر جماعت اسلامی نواب شاہ
۲۰۔ رہنما پبلیکیشنز، والس روڈ، سکھر
۲۱۔ مکتبہ تعمیر ملت، ڈہرکی ضلع سکھر
۲۲۔ ملک بکڈپو، ریلوے روڈ رحیم یار خان
۲۳۔ اقبال بکڈپو، اردو بازار، ہارون آباد
۲۴۔ مکتبہ احیائے ملت، کپ بازار ملتان
۲۵۔ کارواں بک سنٹر صدر بازار شاپنگ سنٹر ملتان
۲۶۔ عزیزیہ کتب خانہ چوک صرافہ بازار ڈیرہ اسماعیل خان
۲۷۔ ضیا بکڈپو، بازار شہیداں ہوتی مردان
۲۸۔ مکتبہ اسلامی بنک روڈ مردان شہر
۲۹۔ فیض محمد ہری پور ہزارہ
۳۰۔ شوکت کریانہ سٹور، مانسہرہ، ہزارہ
۳۱۔ سعید نیوز ایجنسی، رضا شاہ پہلوی روڈ راولپنڈی فون نمبر ۶۸۴۶۱
۳۲۔ مکتبہ افکار اسلامی بازار تلواڑاں، راولپنڈی کینٹ
۳۳۔ مکتبہ میسرز دار الادب بکسیلرز اینڈ سٹیشنرز، لیاقت سٹریٹ پشاور
۳۴۔ مکتبہ اسلامی بنک روڈ، مردان شہر
۳۵۔ عبدالرحمٰن شاہ خطیب جامع مسجد غزنی خیلاں بنوں شہر
۳۶۔ فیض احمد، سہیل بکڈپو سرگودھا
۳۷۔ مکتبہ جوہر فوارہ چوک جوہر آباد، ضلع سرگودھا
۳۸۔ حکیم محمد اسحاق، ریلوے روڈ، حویلیاں ضلع ہزارہ
۳۹۔ شیخ سعید احمد خاکسار مارکیٹ، فاروق جنرل سٹور، ڈیرہ غازی خان
۴۰۔ محمد اشرف، مسلم نیوز ایجنسی چکوال ضلع جہلم
۴۱۔ خواجہ محمد یونس نیوز ایجنٹ کندھکوٹ ضلع جیکب آباد
۴۲۔ عبدالعزیز دکان نمبر ۵۔ ۲۱، ایریا مارکیٹ پی، او، ایف، واہ کینٹ
۴۳۔ عبدالواحد، جامع اہلحدیث امین پور بازار، لائل پور